ندائے خلافت

۲۱۔ مارچ ۱۹۹۵ء

فری میسن تحریک

بھارت کے ایک مسلمان محقق رازہائے درونِ
پردہ فاش کر رہے ہیں۔ صیہونیت کی
چابکدستی پر آپ تصویرِ حیرت بن جائیں گے

ہمارا شمار کس گروہ میں ہے؟

تنظیمِ اسلامی کے ایک رفیق کی طرف سے اس
میں اپنے ہم سفروں کے لئے ایک یاددہانی ہے

پاکستان سے پاکستان تک

ایک پاکستانی کی ہجرتِ ثانی کی کہانی،
اس کی اپنی زبانی۔ پڑھنے اور یاد
رکھ کر عبرت پکڑنے کا اس میں وافر سامان ہے

اب "ہٹ اینڈ ٹرائل" کی گنجائش نہیں ـــــ اداریہ

قیمت: ۶ روپے

الھدی

سورۃ البقرۃ

آیات ۲۲۲۔۲۲۳

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اور (اے نبیؐ! لوگ) آپ نے دریافت کرتے ہیں حیض کے بارے میں۔ فرما دیجئے کہ وہ گندگی (کی حالت) ہے سو تم عورتوں سے حیض کے وقت الگ رہو اور جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں ان کے پاس نہ جاؤ۔ پھر جب وہ پاک ہو جائیں تو ان کے پاس جاؤ جدھر سے اللہ نے تمہیں بتایا ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کو پسند آتے ہیں توبہ کرنے والے اور پسند آتے ہیں پاک صاف رہنے والے○

(سلسلہ کلام مزید آگے بڑھا اور کچھ اُور معاملات پر بھی اہل ایمان کے دلوں میں پائے جانے والے اشکالات کی وضاحت کی جارہی ہے جو سوال بن کر زبانوں پر آتے رہے۔ اب حیض کے بارے میں سوال اٹھا اور یہ بھی کہ اس حالت میں خواتین سے کیا برتاؤ کیا جائے۔ یہ اور انہی دو آیات میں آگے آنے والی چند باتوں پر گفتگو بظاہر شرم و حیا کے تقاضوں کے خلاف سمجھی جا سکتی ہے لیکن اللہ اور رسولؐ کو تو ہر معاملے میں رہنمائی فراہم کرنی ہے اور شرع میں شرم ویسے بھی روا نہیں۔ حیض کے سوال کا پس منظر افراط و تفریط کے مظہر دو طرز ہائے عمل ہیں۔ یہود اور کچھ بت پرست و مشرک قوموں کا طریقہ یہ تھا کہ حیض کی حالت میں عورت کو سراپا گندگی کی پوٹ سمجھا جاتا اور انہیں الگ کوٹھڑیوں میں رکھا جایا کرتا تھا جبکہ نصاریٰ اور کچھ دوسرے لوگوں نے حیض کی حالت کو بھی معمول کا حصہ سمجھا اور اس کے دوران بھی کسی قسم کا کوئی پرہیز نہ کیا۔ اب آسمانی ہدایت یہ آئی ہے کہ حیض ہے تو واقعی گندگی اور اس کے دوران عورتوں سے ہم بستری کی اجازت نہیں ہے لیکن ساتھ ہی نبی اکرم ﷺ کی طرف سے عملی رہنمائی یہ ملی کہ ہم بستری اور نماز روزے سے دور رہنے کے سوا تمہاری عورتیں حیض کے دوران بھی تمہارے درمیان رہتے ہوئے اپنے معمول کی زندگی گزاریں گی اور یہ پابندی بھی صرف اس وقت تک ہے جب تک وہ حیض کی اپنی مخصوص مدت پوری کر کے پاک صاف نہ ہو جائیں۔ اس کے بعد ان سے فطری طریقے سے ہم بستری کی جا سکتی ہے۔ قبل ازیں کسی سے کوئی عملی کوتاہی ہوئی ہے تو اسے ترغیب دی جارہی ہے کہ توبہ کرلے جو اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے اور آئندہ پاک صاف زندگی گزارے تو خود ہر عیب سے پاک ذات باری تعالیٰ کو اپنے بندوں میں بھی پاکیزگی ہی پسند ہے۔)

تمہاری عورتیں تمہاری کھیتی (کی طرح) ہیں سو جاؤ اپنی کھیتی میں جہاں سے (یا جس طرح) چاہو اور اپنے مستقبل کے لئے تدبیر کرو اور اللہ (کی نافرمانی سے) ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ تمہیں اس کے حضور میں حاضری دینی ہے اور (اے نبیؐ!) اہل ایمان کو خوش خبری سنا دیجئے○

(عورت کو مرد کی کھیتی قرار دینا نہایت بلیغ استعارہ ہے جس میں مرد ہل چلا کر اپنے نطفے کا بیج ڈالتا اور اولاد کی فصل حاصل کرتا ہے۔ اب اس کی تو اجازت ہے کہ وہ اپنی کھیتی میں جیسے چاہے اور جدھر سے چاہے ہل چلائے لیکن مقصد اس کا وہی ایک یعنی اولاد کا حصول ہونا چاہئے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ مرد انداز خواہ کوئی اختیار کرے' انجام کار بات وہیں پہنچے گی کہ بیج اسی جگہ ڈالا جائے جہاں اسے روئیدگی مل سکتی ہے۔ یوں تمام غیر فطری طریقوں کی آپ سے آپ نفی ہو جاتی ہے اور مرد اپنی کھیتی سے اپنی اگلی نسل حاصل کرتا ہے جو مستقبل میں اس کے کام آنے والی اور آخر کار اس کی جگہ لے کر کارخانۂ قدرت کو چلتا رکھنے کے لئے ضروری ہے۔ اب ان سب ہدایات پر عمل کی کوئی نگرانی چونکہ ممکن نہیں لہٰذا خبردار کر دیا گیا ہے کہ خود ہی محتاط رہو کیونکہ اللہ کے حضور حاضری دے کر اپنے ہر عمل کی جواب دہی تو تمہیں کرنی ہی ہے۔ پھر کمال مہربانی سے نبی اکرم ﷺ کو اجازت رحمت فرمائی گئی کہ ان اہل ایمان کو اللہ کی خوشنودی اور اخروی کامیابی کی یقین دہانی کرا دیں جو کھلے اور چھپے ہر حال میں اپنے رب کی نافرمانی سے بچنے کی روش پر قائم رہتے ہیں۔ اللہ ہمیں بھی اس یقین دہانی کی خوشخبری کا مستحق بنائے۔ آمین)

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

○

تحریکِ خلافت پاکستان کا نقیب

ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور

جلد ۴ شمارہ ۱۲
۲۱ / مارچ ۱۹۹۵ء

6

مدیر
اقتدار احمد

معاونین : حافظ عاکف سعید
نثار احمد ملک

○

یکے از مطبوعات
تحریکِ خلافت پاکستان
۴ اے سنگ روڈ - لاہور

مقامِ اشاعت
۳۶ - کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور
فون : ۵۸۶۹۵۰۱

○

پبلشر : اقتدار احمد طابع : رشید احمد چودھری
مطبع مکتبہ جدید پریس ریلوے روڈ لاہور

○

قیمت فی پرچہ : -/۶ روپے
سالانہ زرتعاون (اندرون پاکستان) -/۱۲۵ روپے

○

زرتعاون برائے بیرون پاکستان
سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، بھارت ——— ۱۲ امریکی ڈالر
مسقط، عمان، بنگلہ دیش ——— ۱۰ " "
افریقہ، ایشیا، یورپ ——— ۱۶ " "
شمالی امریکہ، آسٹریلیا ——— ۲۰ " "

ادار یہ

اب "ہٹ اینڈ ٹرائل" کی گنجائش نہیں!

مستقبل اپنے دامن میں ہمارے لئے کیا رکھتا ہے' اس کا ٹھیک ٹھیک علم تو اللہ رب العالمین کو ہے جو اسے اپنی مرضی سے کسی بھی خیر یا شر سے بھر دینے کی قدرت رکھتا ہے تاہم اس نے ہماری سہولت کے لئے اسباب و علل کا ایک تعلق نتائج سے قائم کر رکھا ہے جو معمولی سوجھ بوجھ رکھنے والے انسانوں کی سمجھ میں بھی آ جاتا ہے تاکہ وہ چاہیں تو اپنے طرز عمل میں مطلوب و مقصود صورت حال کی ضروریات کے مطابق تغیر و تبدل بھی لا سکیں۔ سو جہاں تک ظاہری اسباب و علل کا تعلق ہے پاکستان نام کا ملک اور اس میں بسنے والے لوگ آج بند گلی کے آخری سرے پر کھڑے ہیں اور اصلاح احوال کی بھی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ گزشتہ لگ بھگ نصف صدی کی پیہم غلطیاں' بے عملیاں' بدمستیاں اور ناعاقبت اندیشیاں آخر کب تک رنگ نہ لاتیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ مہلت آخر ختم ہونے پر آ گئی ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہم کم ظرفوں کو اپنے عالی ظرف کے مطابق عنایت فرمائی اور ہمارا سیاسی نظام تو اب ضرور ہی تاش کے پتوں سے بنے ہوئے گھروندوں کی طرح بکھر جائے گا' خود ملک کی جغرافیائی سالمیت و علاقائی سلامتی بھی معرض خطر میں ہے۔ الٰہی خیر میرے آشیاں کی!۔

اور اصل المیہ یہ ہے کہ تخریب کا جو امکان سامنے دیوار پر لکھا ہوا پڑھنے میں آ رہا ہے' اس کے بعد تعمیر نو کا کوئی واضح' قابل عمل اور مفید نقشہ بھی تیار نہیں چنانچہ خطرہ یہ ہے کہ تخریب کے بعد نئی تعمیر میں خرابی کی پہلے سے زیادہ صورتیں مضمر ہوں گی کیونکہ دوستوں کو تو اپنی باری پر لوٹ کھسوٹ کرنے اور فریق مخالف سے لڑنے نے اتنی فرصت ہی نہیں دی کہ آئندہ کی بات سوچی جاتی جبکہ دشمنوں نے ٹھنڈے دل و دماغ سے خوب سوچ سمجھ کر منصوبہ بندی کی ہے کہ اس شاخ ہاشمی کو برگ و برپیدا کرنے کا موقع نہ دیا جائے۔ بہت دور کی جو کوڑی لائی جاتی ہے وہ ایک قومی حکومت کا قیام ہے لیکن اس میں حصوں کی تقسیم پر وہ سر پھٹول ہو گا کہ اللہ کی پناہ۔ یہ فیصلہ کرنا بھی اگرچہ آسان نہیں کہ کس پارٹی کے ووٹ بینک کا حجم کیا ہے' زیادہ بڑی مشکل یہ ہو گی کہ ان بزعم خویش "قومی" لیڈروں نے بھی اپنے آپ کو متبادل قیادت سمجھنا شروع کر دیا ہے جو پچھلے عام انتخابات میں بری طرح مسترد کر دیئے گئے۔ بہت بے آبرو ہو کر ترے کوچے سے ہم نکلے --- لیکن سال سوا سال میں ہی وہ لوگ "ہم چوما دیگرے نیست" کے نعرے لگاتے سیاست کے اکھاڑے میں چکر لگاتے دکھائی دیتے ہیں اور کسی بھی مجوزہ نئے انتظام کو بے اثر کرنے کی صلاحیت بہرحال رکھتے ہیں جس میں انہیں گھاس نہ ڈالی گئی ہو۔

تازہ الیکشن ایک اور تجویز ہے لیکن ملک کے موجودہ حالات میں جب "مذاکرات" بھی راکٹوں اور گولیوں کی زبان میں ہونے لگے ہیں' انتخابی عمل کی پرامن تکمیل کی ضمانت کس قدر مشکل ہو گی!۔ امکان تو یہ نظر آتا ہے کہ انتخابی مہم خانہ جنگی میں تبدیل ہو جائے گی اور بالفرض کسی بھی حیلے بہانے انتخابی عمل کو منطقی انجام تک پہنچنے کا موقع دیا ہی جا سکے تو نتائج کو تسلیم نہ کرنے کی جو روایت ہمارے ہاں قائم ہو چکی ہے' اس کا کیا علاج ہے؟۔ نئی حزب مخالف آنے والی حکومت کو کیوں چین لینے دے گی اور نانی نے خصم کر کے چھوڑنا ہی ہے تو اس سے بہتر ہے کہ صبر و شکر کر کے بیٹھی رہے۔ گویا یہ بھی ہمارے مسئلے کا حل نہیں۔ لے دے کے ایک ہی راستہ بچتا ہے۔ یہ کہ فوج اقتدار اپنے ہاتھ میں لے لے' سو اس سوراخ سے ہم پہلے ہی کئی بار ڈسے جا چکے ہیں۔ یہ نسخہ اسپرین کی طرح فوری آرام تو دیتا ہے لیکن جسم کے پورے نظام میں ان خرابیوں کی پیوندکاری کر دیتا ہے جو انجام کار جان لیوا ثابت ہو سکتے ہیں۔

پس چہ باید کرد۔ ہمارے پاس تو اس سوال کا ایک ہی جواب ہے۔ جسے دہراتے ہوئے خیال آتا ہے

(باقی صفحہ ۱۹ پر)

سوچ کی لہر

اندھا قانون، اندھیر نگری اور چوپٹ راج

روزنامہ "پاکستان" لاہور۔ اسلام آباد میں شائع ہونے والے مدیر ندائے خلافت کے منتخب کالم

سپیشل بینکنگ کورٹ نے بینک فراڈ کے الزام میں ماخوذ مہران بینک کے سابق سربراہ یونس حبیب کو تین علیحدہ علیحدہ دفعات کے تحت جرائم کی سزا میں سترہ سال قید بامشقت اور دو ارب بیس کروڑ روپے جرمانے کی سزا دی ہے۔ جرمانے کی عدم ادائیگی کی صورت میں اسے دو سال کی اضافی قید بامشقت بھگتنی ہو گی لیکن جرمانے کی رقم (یعنی دو سو بیس کروڑ روپے) اگر وصول ہو جائے تو اس میں سے ایک سو کروڑ یعنی ایک ارب روپے سٹیٹ بینک آف پاکستان کو دیئے جائیں گے جس سے ایک سو دس کروڑ روپے کے ڈالر بیئرر سرٹیفکیٹ منگوا کر یونس حبیب نے رقم کی ادائیگی کی بجائے انگوٹھا دکھا دیا تھا اور وہ خطیر رقم خورد برد کر لی۔ اس مقدمے اور عقوبت کا کوئی تعلق ان الزامات سے نہیں جن کے مطابق ملک کی سیاست میں یونس حبیب نے پیسہ چلا کر سیاستدانوں کو مبینہ طور پر بدعنوان بنایا اور یوں ہماری سیاست کی سڑاند میں اضافہ کیا جو پہلے سے ہی سنڈاس کی طرح بدبو سے بھبک رہی تھی۔ ان پر الگ سے تحقیقاتی کمیشن بیٹھے ہوئے ہیں جن کی تحقیق کے نتائج تاحال منظر عام پر نہیں آئے۔

یہ فیصلہ سننے کے لئے پولیس کی تحویل میں عدالت کی طرف جاتے ہوئے ان کی جو تصویر اخبارات میں شائع ہوئی ہے اس میں یونس حبیب کے چہرے پر کسی نوع کی تشویش کی کوئی پرچھائیں نظر نہیں آتی بلکہ وہ زیر لب مسکرا رہے ہیں۔ لگتا ہے کہ ایک خوش بیاں شاعر اپنی تازہ غزل سنانے اس یقین و اعتماد کے ساتھ مشاعرے کا رخ کئے ہوئے ہے کہ آج تو اس کی غزل کے اشعار محفل کو لوٹ ہی لیں گے۔ پھر عدالت کا فیصلہ سننے کے بعد بھی ان کی بشاشت میں کوئی کمی نہیں آئی۔ پریس رپورٹروں نے انہیں گھیر لیا تو وہ ان کے سوالات کے جواب یوں دیتے رہے جیسے "مکرر ارشاد" پر تسلیمات بجالاتے ہوئے "عرض کیا ہے" کہہ رہے ہوں۔ کہا کہ "اٹ از پارٹ آف دی گیم" یہ تو کھیل کا حصہ ہے وغیرہ۔ انداز گویا آداب کے بعد یہ مقطع پڑھنے کا تھا۔

آپ بھولے تو نہ ہوں گے مجھ کو
آپ کا اختر شیرانی ہوں

عدالت کے فیصلے پر کوئی تنقید یا تبصرہ مقصود نہیں، یہ تو اپنی حیرت کا اظہار ہے کہ آدمی دنیا میں اتنا سستا بھی چھوٹ سکتا ہے جبکہ ابھی اپیل کی گنجائش بھی باقی ہے؟ عقل سلیم جرم و سزا کے ایسے ہی نظائر سے یہ نتیجہ اخذ کرتی ہے کہ وہ ایک دن ضرور آ کر رہے گا جب "یوم الدین" کا مالک ہر فرد و بشر کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے گا۔ اجر بھی بھلائی کی مناسبت سے ملے گا اور سزا بھی جرم کی نوعیت اور اس کے اثرات کے مطابق ہو گی۔ یونس حبیب کی قید کی تین سزاؤں کا میزان ۱۷ سال ہے، دس سال جمع پانچ جمع دو سال۔ تینوں ایک ساتھ شروع ہوں گی یعنی اسیری کا کل دورانیہ دس سال ہو گا اور یہ سال بھی وہ ہیں جو سکڑ کر بعض صورتوں میں آدھے سے بھی کم رہ جاتے ہیں۔ مشقت ظاہر ہے ان سے نالیوں کی صفائی یا بان بٹنے کی نہیں بلکہ حساب کتاب رکھنے کی کسی ڈیوٹی کی شکل میں لی جائے گی اور پیسہ ان کے لئے جیل میں بھی وہ سب سہولتیں "خرید" سکے گا جو اچھے بھلے کھاتے پیتے آزاد شہریوں کو بھی میسر نہیں۔ یہ جیل کے محکمے پر کوئی اتہام نہیں، ہمارے یہاں کون نہیں جانتا کہ روزمرہ کے مشاہدہ کی بات ہے۔ سب سے دلچسپ پہلو سزا کے اس "پیکج" کا یہ ہے کہ دو سو بیس کروڑ روپے جرمانے کی عدم ادائیگی کی صورت میں یونس حبیب دو سال قید بامشقت کاٹیں گے۔ یہ صاحب میمن اور کاروباری خاندان سے تعلق رکھنے والے "مانو" ہیں جس کے سبب "روکڑ" کی قدر و قیمت خوب جانتے ہیں۔ انہیں گھٹی میں یہ اصول پلایا گیا ہے کہ چام جائے دام نہ جائے، اور ایک ارب دس کروڑ روپے کے ہضم کرنے میں سال سوا سال کی سرکاری میزبانی تو چورن ہی کا کام دے گی۔

اخبارات میں یونس حبیب کے بارے میں کیا کچھ نہیں چھپا۔ یہ تفصیل بھی منظر عام پر آئی تھی کہ پاکستان سے اڑائی ہوئی دولت وہ مبینہ طور پر امریکہ لے گئے ہیں اور وہاں اپنے بیٹے کو ایک بڑے کاروبار میں ڈال دیا ہے۔ ریاست ہائے متحدہ کے مشرقی ساحل پر سب سے بیش قیمت رہائش گاہیں مین ہٹن (نیو یارک) کے بعض "پوش" علاقوں کے اپارٹمنٹ ہیں یا پھر مغربی ساحل پر ایل اے (لاس اینجلس) کے قریب ہالی ووڈ کے پڑوس میں واقع "ولاز" یعنی بنگلے جن کی مالیت مین ہٹن کو بھی پانی پانی کر دے۔ خبر دی گئی تھی کہ انہوں نے موخر الذکر بستی میں اپنے لئے ایک محل نما مکان خریدا ہے جس میں ان کے اہل و عیال فروکش رہے ہیں وغیرہ۔ واللہ اعلم!۔ ظاہر ہے کہ امریکہ میں ایک بڑے کاروبار اور اس معیار کے بود و باش کے لئے بہت تگڑا بینک بیلنس بھی درکار ہوتا ہے جس کا انتظام میمن بچے نے تو اس طرح کا کیا ہو گا کہ "ممول" کو ہاتھ لگانے کی نوبت نہ آئے، سارا کام "بیاج" سے چلتا رہے۔ ممول سے بیاج تو ویسے ہی پیارا ہوتا ہے اور جس ممول کے لئے جیل کی ہوا بھی کھانی پڑی ہو اس سے پیاری چیز کیا ہو گی!۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ جرم و سزا میں یہ نسبت و تناسب کسی بھی درجے میں عبرت کا باعث بن سکتا ہے جو ہر فلسفے میں عقوبت کا اصل یا بڑا مقصد ہوتا ہے؟۔ یہاں تو الٹی ترغیب مل رہی ہے کہ چڑھ جا بیٹا سولی پہ، رام بھلی کرے گا۔ عدالت نے جس جرم کا مرتکب یونس حبیب کو گردانا ہے اس کی پاداش میں اسے موت کی سزا دے دی جائے تب بھی وہ مال تو اس کی آل اولاد کے پاس ہی رہے گا جو قاضی الحاجات ہے۔ آخر لوگ چھوٹی بڑی بے ایمانیاں اور ہیرا پھیریاں کس لئے کرتے ہیں!۔ انہی بال بچوں کے لئے نا، کہ کسی ضرورت کے وقت ان کے ہاتھ خالی نہ ہوں۔ اس سے بڑھ کر غور طلب امر یہ کہ کیا ریاست، قانون اور حکومت وقت سب اتنے بے بس ہیں کہ ایک خائن سے وہ مال نہیں اگلوا سکتے جو اس نے نگلا ہے۔ ظاہر ہے کہ اربوں روپے کی رقم کھا پی کر تو برابر نہیں کی جا سکتی، اس سے تو جائیداد ہی بنی ہو گی، وہ فکسڈ ڈپازٹ میں پڑا ہو گا یا پھر اس سے کوئی

کاروبار چلایا گیا ہو گا۔ ہر صورت میں اصل رقم گھٹی نہیں بڑھی ہو گی۔ تو کیا کوئی ایسا طریقہ اب تک ایجاد نہیں ہوا جو ایک خائن کو امانت واپس کرنے پر مجبور کر دے؟۔ ذرا چشم تصور وا کیجئے اور قرآنی بصیرت کو کام میں لا کر یہ منظر دیکھئے کہ عذاب کے فرشتے ایک شخص کو آگ کے گڑھے کی طرف گھسیٹے لئے جا رہے ہیں اور وہ ہاتھ جوڑ رہا ہے کہ بابا! میرے بدلے میں میرے ماں باپ' بہن بھائی بلکہ بیوی بچے بھی اور انہی پر کیا موقوف' ساری خدائی جہنم میں جھونک دو لیکن مجھے خدا کے لئے اس آگ سے بچا لو۔۔۔۔ (سورۃ المعارج) ۔۔۔۔ لیکن ہاں' یہ کام اسی موقعے پر ہو سکے گا اور اسی لئے ہمارا ایمان ہے کہ جزا و سزا کا وہ دن خدائی عدل و قسط کا تقاضا بھی ہے۔ تاہم اس کا کوئی عکس تو دنیا میں بھی دکھایا جا ہی سکتا ہے۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیسے رؤف و رحیم اور کس قدر معاف کرنے والے تھے (فداہ ابی و امی) لیکن ایک گھناؤنا جرم ایسا بھی ہے جس کی سزا خود آپ نے مجرم کو بر سرعام سنگسار کرا کے دی۔ ذرا تصور تو کیجئے' یہ کیسی اذیت ناک سزا ہے!۔ پھانسی کے پھندے پر جھول جانے سے کہیں زیادہ دردناک' بجلی کی کرسی پر بیٹھ کر آن کی ان میں بھسم ہو جانے سے کہیں زیادہ المناک اور گولیوں کی بوچھاڑ کا لحہ بھر سامنا کرنے سے کہیں زیادہ خوفناک۔ پھر عبرت کا جو سامان برسرعام سنگسار کرنے میں ہے اس کا عشر عشیر بھی صرف یہ معلوم ہو جانے سے حاصل نہیں ہو سکتا کہ فلاں کو سنائی گئی موت کی سزا پر عمل در آمد ہو گیا ہے۔ اس پر بھی اسلامی حدود و تعزیرات کو کیا صرف وحشیانہ ہی کہا جائے گا؟۔

ہمارے ملک میں رائج اینگلو سیکسن قوانین تو مغربی قانون کے باوا آدم رومن لاء کے بھی بڑے ترقی یافتہ شاہکار ہیں' خام اور ازمنہ قدیمہ میں مرتب ہونے والے دقیانوسی (خاکم بدہن) شرعی قوانین سترہ اٹھارہ برس قبل اپنی آنکھوں سے سعودی عرب میں چلتے دیکھے ہیں۔ چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی رقم کا دعویدار تھانے میں جا کر بیان دیتا ہے کہ فلاں ابن فلاں میری رقم دبائے بیٹھا ہے اور دینے سے انکاری ہے۔ شرطہ (پولیس والے) مدعی سے تھوڑی بہت جرح کر کے ہی اندازہ کر لیتے ہیں (اور یہ عین ممکن اور قابل عمل ہے بشرطیکہ نیت نیک ہو) کہ سچا ہے یا جھوٹ گھڑ کر لایا ہے۔ پھر ایک سپاہی جا کر مدعا علیہ کو اصالتاً لے آتا ہے۔ کوئی سمن نہیں' کوئی پیادہ نہیں' کوئی پیشی نہیں' کوئی وکیل نہیں۔ اس کا گول مول مشکوک سا یا صاف سیدھا جواب شرطہ کو اکثر و بیشتر درست نتیجے پر پہنچا دیتا ہے اور اگر خیال یہ ہو کہ مدعی کا استغاثہ درست ہے تو مدعا علیہ کو اسی وقت تھانے کی حوالات میں بند کر دیا جاتا ہے اور صرف گھر والوں کو ایک پیغام بھیجنے کی سہولت دی جاتی ہے۔ مدعی کی رقم ادا کئے بغیر مدعا علیہ تھانے سے باہر قدم نہیں رکھ سکتا' اس میں گھنٹے لگیں' دن لگیں' ہفتے لگیں یا مہینے۔ اکثر صورتوں میں یہ تنازعہ وہیں نمٹ جاتا ہے۔ کیسی رپٹ' کیسی تفتیش' کیسی ضمانت۔ مدعی اپنی رقم وصول کر کے شرطہ کو صرف دعائیں دیتا گھر کو لوٹ جاتا ہے (کوئی نذرانہ' کوئی حصہ پتی نہیں)۔ بہت کم ایسا ہوتے سنا کہ معاملہ شرطہ کے بس سے باہر ہو گیا اور قاضی کے حوالے کرنے کی نوبت آئی ہو۔

اور اب برسبیل تذکرہ ایک چٹکلا بھی سن لیجئے جو لطیفہ نہیں' پورا کثیف واقعہ ہے۔ انہی دنوں جدہ کے انگریزی اخبار "سعودی گزٹ" میں ایک خبر پڑھی تھی کہ ایک شخص گزشتہ دس سال سے جیل میں پڑا سڑ رہا ہے اور ہر متعلق شخص اسے رہا کرنا چاہتا ہے لیکن نہیں کر سکتا بلکہ صاف الفاظ میں لکھا تھا کہ خود بادشاہ سلامت بھی چاہیں تو اس کی گلو خلاصی نہیں کرا سکتے کیونکہ وہ "حق عام" (یعنی کوئی ایسی حرکت جس سے ملکی قانون اور / یا مفادِ عامہ کی بے حرمتی ہوئی ہو) کا مجرم ہوتا تو وہ معاف کر سکتے تھے "حق خاص" یعنی کسی کا ذاتی نقصان وہی متعین شخص چھوڑے گا جسے وہ حاصل ہو گیا تھا۔ تفصیل اس اجمال کی یہ تھی کہ ایک صاحب قاعدے قرینے سے اپنی کار چلاتے ہوئے سڑک پر جا رہے تھے کہ ایک جانب سے ایک دس بارہ سالہ لڑکا دوڑتا آیا اور کار سے ٹکرا کر زخمی ہو گیا۔ اس کی ایک ٹانگ کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔ لوگوں نے فوراً موقع پر پہنچ کر لڑکے کو ہسپتال اور "کاردار" صاحب کو قاعدے کے مطابق شرطہ المرور (ٹریفک پولیس) کے قریبی تھانے میں پہنچا دیا جس نے کاردار صاحب کو اس وقت تک کے لئے جیل بھیج دیا جب تک بچے کی زندگی کے بارے میں اطلاع اور جسم کو پہنچنے والے عارضی یا مستقل گزند کی رپورٹ ہسپتال سے موصول نہیں ہو جاتی جس میں نقصان (ڈس ایبلیٹی) کا فیصد تعین بھی ہوتا ہے۔ اس کے مطابق ادائیگی کر کے کار والے صاحب گھر جا سکتے تھے کیونکہ "حق عام" ان پر کوئی نہ تھا یعنی ٹریفک قوانین کی خلاف ورزی انہوں نے نہیں کی تھی۔ مضروب کھلنڈرا لڑکا ٹانگ پر پلستر چڑھوا کر چند دن تو ہسپتال میں اپنے بستر پر موجود رہا بعد ازاں چپکے سے کھسک گیا اور دس سال ہونے کو آئے کہ پلٹ کر نہیں آیا۔ اب نہ وہ آئے نہ اس کے نقصان کا تعین ہو یا وہ معاف ہی کر دے اور نہ کاردار صاحب قید سے چھوٹیں۔ دیکھا آپ نے قانون اندھا تو ہو سکتا ہے لیکن ہمارے یہاں کی طرح اندھیر نگری' چوپٹ راج کم از کم اسلام میں تو نہیں!۔OO

یا چناں کُن یا چنیں!

چکوال میں زلزلہ پیمائی کے ایک مرکز کی تعمیر و تنصیب پر ان دنوں گرماگرمی چل رہی ہے جو زیر زمین کسی بھی طرح کی ٹوٹ پھوٹ اور چھوٹے بڑے ہر دھماکے کی نوعیت واضح کر دے گا۔ حکومت کے مخالفین کا الزام ہے کہ یہ مرکز امریکہ کے حکم کی تعمیل میں اور اس کے ان مقاصد کی تکمیل کی غرض سے قائم کیا گیا ہے جن کا ہدف وہ نہیں جو بیان کیا جاتا ہے یعنی یہ ایٹمی ہتھیاروں کے میدان میں بھارت کی پیش رفت کی نگرانی کے لئے نہیں بلکہ کہوٹہ میں ہماری تنصیبات کی کارکردگی پر نظر رکھنے کا بہانہ ہے۔ مرکز کے محل وقوع سے اس قیاس آرائی کو تقویت بھی ملتی ہے جو کہوٹہ کا قرب و جوار نہیں بلکہ چولستان کا ریگزار ہونا چاہئے تھا۔ قبل ازیں ہمارا ایٹمی پروگرام داویلے کا موضوع تھا جو "کیپ" تو شاید کیا ہی جا چکا ہے' یہ معاملہ ہنوز توثیق طلب ہے کہ رجعت قہقری کو بھی منظور کر لیا گیا ہے یا نہیں۔ مسئلہ کشمیر پر حکومت کے دعووں کے برعکس پے در پے ناکامیوں پر آہ و فغاں کا سلسلہ بھی جاری ہے اور یہ بھی محسوس کیا جا رہا ہے کہ کسی بھی اعتبار سے اقوام عالم میں ہماری وقعت دھیلے کی نہیں رہی۔ عزت و وقار نام کی کوئی شے اب ہمیں میسر نہیں۔

یہ صورت حال تو قوموں کی برادری میں ہماری حیثیت کا تعین کرتی ہے' خود وطن میں اہل وطن پر جو بیت رہی ہے اس کا ذکر کیا جائے تو۔۔۔۔ اک تیر میرے سینے میں مارا کہ ہائے ہائے۔۔۔۔ امن و امان کی زبوں حالی بالخصوص کراچی کی پیچیدگیاں' اہل نظر جن کے

سرو قامت سے اک قدِ آدم' قیامت کے فتنے کو کم دیکھتے ہیں۔ پھر افراط زر' بے روزگاری اور مہنگائی کے ازدھے جنہوں نے ہماری معیشت کو نگلنے کے لئے منہ پھاڑ رکھے ہیں۔ توانائی کا بحران' زرعی پیداوار کا گرتا ہوا گراف اور درآمدات کے مقابلے میں برآمدات کی مسلسل کمی ان پر مستزاد۔ فرقہ واریت کا عفریت الگ پھنکار رہا ہے جس کی پھونکیں نہ جانے کب اس آگ کو شعلوں میں تبدیل کر دیں جو سلگنے کے مرحلے سے آگے تو جا ہی چکی ہے۔ بدعنوانی کا زہر معاشرے کی اعلیٰ ترین سطح سے لے کر زیریں طبقات تک میں یکساں سرایت کر گیا ہے اور فرق اگر کچھ نظر آتا ہے تو وہ پارسائی کا نہیں فقط نارسائی کا ہے۔ اخلاق و کردار کے انحطاط میں تیزی وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اسی انداز میں بڑھ رہی ہے جیسے بلندی سے پستی کی طرف لڑھکنے والی ہر چیز کی رفتار بڑھا کرتی ہے۔ ہماری عزیز از جان دینی روایات بھی زوال پذیر ہیں اور سرمایۂ افتخار مشرقی رکھ رکھاؤ بھی قصۂ ماضی بنتا جا رہا ہے۔ بلا استثناء سب قومی ادارے شکست و ریخت کا شکار ہیں' ایک عدلیہ دسترس سے بچی ہوئی تھی ----- اس کو بھی ہم نے آخر چرکا لگا کے چھوڑا ----- اور سیاست کا تو ذکر ہی کیا' الامان الحفیظ۔ شرافت اس شعبہ زندگی سے گدھے کے سر سے سینگ کی طرح غائب ہو گئی ہے۔ جمہوری تماشے میں کھیل کے قواعد کا پاس رہا نہ کسی سلیقے قرینے کا لحاظ۔ ایوانہائے نمائندگان مچھلی بازار کا منظر پیش کرتے ہیں یا پھر زور آزمائی کے اکھاڑے کا' ان میں سبھی کچھ ہوتا ہے' نہیں ہوتا تو قانون سازی نہیں ہوتی' ملک و قوم کی بہبود کی منصوبہ بندی نہیں کی جاتی۔ اجتماعیت کے ہر شعبے میں ابھرتے مسائل کا سامنا کرنے کی بجائے انہیں بھی عوام کی طرح کھلونے دے کے بہلانے کی کوشش کی جا رہی ہے جس کے نتیجے میں نقصانِ مایہ کے ساتھ شماتتِ ہمسایہ "جھونگے" میں ملتی ہے۔ قصہ مختصر زمانہ گویا ہم سے پوچھ رہا ہے کہ "کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں!" وہی زمانہ جو کسی کا راکب ہے' کسی کا مرکب اور ہماری شامت اعمال کے طفیل ہمارے لئے عبرت کا تازیانہ!۔

کوئی قوم کی اس تصویر لفظی کو مبالغہ آرائی قرار دے تو خوش فہمی میں مبتلا ایسے خوش نصیب مہربانوں سے تو ہم ان کی دل آزاری پر معذرت ہی چاہیں گے البتہ جن حقیقت پسندوں کو آئینے سے حجاب نہیں وہ گواہی دیں گے کہ حالات کی خرابی اس سے بھی زیادہ بھیانک ہے البتہ اس کی وجہ پر ہر کوئی اپنی رائے رکھنے میں آزاد ہے۔ سیانے لوگوں میں سے جو بھی منہ میں زبان رکھتا ہے' اپنے انداز میں کہتا ہے اور جن کو لکھنے کے ساتھ اخبار رسالوں میں چھپنے کا موقع میسر ہے' وہ لکھ رہے ہیں کہ پانی سر سے گزرا چاہتا ہے۔ چارہ گروں کو اب اور کس بات کا انتظار ہے!۔ سب سے کوتاہ بین شخص وہ ہے جو اس صورت حال کے الزام کو ایک حکومت یا دوسری حکومت کے سر مڑھتا ہے کیونکہ سچ یہ ہے کہ بے نظیر بھٹو آج حکمران نہ ہوتیں' نواز شریف وزیر اعظم ہوتے تب بھی کوئی فرق نہ پڑتا کیونکہ قوم مکافات عمل بھگت رہی ہے اور اس پہ ستم یہ کہ قحط الرجال بھی ساتھ ہی آیا ہے کیونکہ مصیبت کبھی تنہا نہیں آیا کرتی۔ معاشرے کی اجتماعیت کے ہر گوشے میں چھوٹے قد کاٹھ کے بزعم خویش لیڈروں نے اودھم مچا رکھا ہے۔ ان میں سے مغرب گزیدہ' دین بیزار اور عملاً سیکولر بونوں کو اپنی اس کامیابی کی سرشاری ہے کہ مُلّاؤں کو ہم نے سیاست کے اکھاڑے سے نکال باہر کیا اور معاشرے کی سیادت کے منصب سے معزول بھی کروا دیا جبکہ پست قد مذہبی رہنما مگن ہیں کہ ملک کو اسلام کی طرف لانے میں کامیاب نہ ہو سکے تو کیا ہوا' اسے سیکولرازم کی طرف بھی تو نہیں بڑھنے دیا۔ یوں نہ ایک طرف پیش قدمی ہوئی نہ دوسری جانب کوئی پیش رفت۔ زمانہ قیامت کی چال چل رہا تھا اور ہم جمود کا شکار رہے۔ زمیں جنبد نہ جنبد گل محمد۔ دو مُلّاؤں میں غریب مرغی کو حرام ہونا ہی تھا۔ نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم' نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے۔ ایسے میں ایک کمزور سی آواز اٹھتی سنائی دیتی ہے کہ "اپنی ملت کا قیاس اقوام مغرب پہ نہ کر' خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمیؐ" اور اسی طرح ---- "خاص ہے ترکیب میں یہ ملکِ خداداد بھی" ---- لیکن نقار خانے میں طوطی کی آواز کہاں سنائی دیتی ہے۔ یہ ملک اسلام کے لئے نہیں تو اسلام کے نام پر تو بنایا گیا تھا نا!۔ اب اس کو کوئی اور تشخص دینے کی کوشش اس کے وجود ہی کو خطرے میں ڈال دے گی۔ اس کی ولدیت تو اسلام ہے جیسے حضرت سلمان فارسیؓ اپنا پورا نام پوچھنے پر سلمان بن اسلام کہا کرتے تھے۔

کیا طرفہ تماشا ہے کہ ایک طرف تو پاکستان کی جوان جہان خاتون وزیرۂ عظمیٰ دنیا بھر میں ڈنکا بجاتی پھرتی ہیں کہ میرا ملک "بنیاد پرست" نہیں بلکہ "لبرل اسلام" کا علمبردار ہے اور ---- "دیکھو مجھے جو اس میں کوئی اشتباہ ہو" ---- دوسری طرف دنیا بھر سے ذرائع ابلاغ کے نمائندے بچشم خود یہ دیکھنے کے لئے یہاں آئے ہوئے ہیں کہ ملک میں "بنیاد پرستی" کا جادو سر چڑھ کر بول رہا ہے جو اپنی بے وزنی میں تو بے مثال ہے لیکن اس کے باوجود یہاں "ترقی" کا پہیہ جام کئے بیٹھا ہے۔ ہمارے تضادات اسی پر بس نہیں' ایک طرف اکیسویں صدی میں ایک ترقی یافتہ قوم کے جون میں داخل ہونے کے دعوے ہیں اور دوسری طرف حال یہ ہے کہ نئی صدی کی دہلیز پر اس حال میں کھڑے ہیں کہ عوام کی عظیم اکثریت کو پینے کا صاف پانی تک میسر نہیں' بنیادی تعلیم بھی ان کی رسائی میں نہیں اور علاج معالجہ کے نام پر کسی ڈھکوسلے کو بھی وہ ترستے ہیں۔

ہمارے تضادات کا بدترین شاہکار قول و فعل میں وہ فرق و تفاوت ہے جو عطائی نسخہ نویسوں کو نظر ہی نہیں آتا۔ وہ بہت تیر ماریں اور اپنی پوری "اسلام پسندی" بھی بروئے کار لے آئیں تو اس تشخیص تک پہنچ پاتے ہیں کہ نظریۂ پاکستان مسلم قومیت سے عبارت ہے جسے ہمیں دانتوں سے پکڑ کر رکھنا چاہئے۔ جب خود مسلم قومیت کی بنیاد بھی اسلام ہے تو سیدھے سبھاؤ یہ کیوں نہیں کہا جاتا کہ ہمیں اس اسلام سے اپنے تعلق کو جزوی اور زبانی کلامی وابستگی سے بڑھا کر عملی اور ہمہ گیر عامل بنانا ہو گا جس کے لغوی معنی ہی اطاعت' گردن نہادن اور خود سپردگی ہیں جن سے افراد اور اقوام کو دین و دنیا میں یکساں سلامتی کی ضمانت مل سکتی ہے۔ حبل اللہ المتین یعنی قرآن مجید کی رسی کو مضبوطی سے تھام کر اپنے خالق و مالک سے تعلق کو زندہ و متحرک رکھنا ہو گا کہ وہی اس ایمان کی اساس ہے جو افراد اور اقوام کو داخلی و خارجی امن سے ہمکنار کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ ضرورت قوم کو یہ سمجھانے کی ہے کہ "یا چناں کُن یا چنیں" یا تو اس اسلام کے تقاضے اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں پورے کرنے ہوں گے جو ہم نے قرارداد مقاصد کی شکل میں کلمۂ شہادت پڑھ کر اور اپنا نام "اسلامی جمہوریۂ پاکستان" رکھ کر قبول کئے ہیں یا پھر صاف اعلان کر دیا جائے کہ "میرے اسلام کو تم قصۂ ماضی سمجھو" تاکہ یہ مخمصہ ہماری جان چھوڑے جو ہماری گاڑی کو بریک بن کر لگا ہوا ہے۔ پھر ہم بگٹٹ دوڑتے ہوئے یارانِ تیز گام کو جا لینے کی بھی سوچ سکیں گے جنہوں نے "ترقی" کے محمل کو جا لیا ہے کیونکہ محنت

(باقی صفحہ ۲۲ پر)

مکتوب کراچی

یہ ساری آفت اس علاقے میں ہے جس نے پی پی کو ووٹ نہیں دیئے

کچھ تو کہئے کہ لوگ کہتے ہیں

نجیب صدیقی

حکومت کے عذراتِ لنگ اب لوگوں کو خاموش نہیں کر سکتے

دہشت گرد "را کے ایجنٹ ہیں" تو انہیں پکڑنے کے لئے کیا آپ کے پاس فوج اور پولیس نہیں ہے؟

بیسویں تراویح کی انیسویں رکعت چل رہی تھی' امام صاحب اپنی دھن میں پچیسویں پارے کے آخری حصہ کی تلاوت کر رہے تھے۔ آواز ماشاء اللہ انتہائی دلکش اور پڑھنے کا انداز بھی منفرد۔ تراویح میں ترتیل کا خیال کم ہی رکھا جاتا ہے مگر جن صاحب کا میں ذکر کر رہا ہوں ان کے پڑھنے میں بے ساختہ پن کے علاوہ ترتیل کا خاص خیال رہتا ہے کہ اچانک گولیوں کی تیز بارش شروع ہو گئی۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ گولیاں سروں پر سے گزر رہی ہیں۔ ایک لمحہ سکتہ میں آنے کے بعد تلاوت کا سلسلہ جاری رہا۔ محافظ لڑکوں نے جو مسجد کے ارد گرد تھے' تیزی کے ساتھ سامنے کی کھڑکیاں بند کیں۔ پورا علاقہ گولیوں کی آواز سے گونج اٹھا' دکانوں کے شٹر گرنے لگے' بازاروں میں بھگدڑ مچ گئی' بھاگنے والوں میں مردوں کے علاوہ عورتیں اور بچے شامل تھے جو تحفظ کے لئے گلیوں میں گھس رہے تھے۔ ایک افراتفری کا عالم تھا' بچے رو رہے تھے' بیشتر عورتوں اور مردوں کے پیر خوف سے کانپ رہے تھے' گھروں میں عورتیں سہمی ہوئی ہیں جن کے بھائی' شوہر' بیٹے تراویح پڑھنے کے لئے گئے تھے یا پھر کوئی خریداری کے لئے نکلا تھا۔ سب کے ہوش اڑے ہوئے تھے۔ موت کا خوف کتنا بھیانک ہوتا ہے' اس کو وہی سمجھ سکتا ہے جسے کبھی ایسے کسی واقعہ کا سامنا کرنا پڑا ہو۔ مسجد کے پہرہ داروں نے کہا۔ "آپ لوگ اپنی نمازیں پوری کریں۔ باہر نہ نکلیں۔ ہم موجود ہیں"۔ امام صاحب نے بھی یہی اعلان کیا کہ پہرہ پر بچے موجود ہیں نماز پوری کی جائے۔ بقیہ نماز خوف کی حالت میں ادا کی گئی۔ اللہ کا شکر ہے کوئی بڑی افراتفری نہیں ہوئی۔ جب سے مساجد پر حملے شروع ہوئے ہیں احتیاطی تدابیر کے تحت ایک گیٹ کھلا رہتا ہے بقیہ بند کر دیئے جاتے ہیں۔ ہر شخص کی کوشش تھی کہ وہ معلوم کرتے کہ کتنے بندے کام آ گئے۔ جامع مسجد جس کا میں ذکر کر رہا ہوں' اس سے چند سو گز کے فاصلے پر امام باڑہ بھی ہے وہاں کوئی مجلس جاری تھی۔ بتانے والوں نے بتایا کہ تین گاڑیوں میں مسلح افراد آئے تھے۔ پہرہ پر آدمیوں کو دیکھ کر ہوائی فائر کرتے ہوئے امام باڑہ اور مسجد کے سامنے گزر گئے۔ فائرنگ اس درجہ شدید تھی کہ در و دیوار کو ہلا کر رکھ دیا۔ ہر دل کی دھڑکن تیز ہو گئی اور ہر شخص اپنی جگہ ہل گیا۔

اب یہ بات ڈھکی چھپی نہیں رہی کہ اس کے پیچھے کون سی قوتیں کام کر رہی ہیں۔ بچہ بچہ اس بات سے واقف ہو گیا ہے کہ ان ہلاکتوں کے مقاصد کیا ہیں۔ وہ کیا چاہتے ہیں اور کیوں چاہتے ہیں؟ اس میں انتقامی کارروائی کتنی ہے اور معاشی مسائل سے کہاں کہاں اس کے ڈانڈے ملتے ہیں؟۔ لوگ کہتے ہیں اللہ کو دیکھا نہیں مگر عقل سے پہچانا ہے۔ دہشت گرد دس دس کی تعداد میں آتے ہیں بھری دوپہر میں گھر میں گھس کر چار سگے بھائیوں کو قتل کر دیتے ہیں۔ یہ واردات نصف گھنٹے میں مکمل ہوتی ہے۔ پولیس کو فون کرنے کے باوجود وہ موقع پر نہیں پہنچتی۔ نصف گھنٹے کے بعد جب وہ چلے جاتے ہیں تو ہمارے بہادر سپاہی پہنچ جاتے ہیں۔ محلے والے گاڑی کا نمبر یا رنگ بتانے سے گریز کرتے ہیں ایسا نہ ہو کہ دوسرے دن ان کا نمبر بھی آ جائے۔ خوف اس قدر ہے کہ چلتے پھرتے یا گھر میں بیٹھے بھی ہر شخص سہما ہوا ہے کہ کسی وقت بھی کوئی حادثہ پیش آ سکتا ہے۔

وزیر اعلیٰ صاحب فرماتے ہیں کہ عوام تخریب کاروں کی نشاندہی بھی کریں پھر وہ انہیں پکڑیں گے۔ بیان میں تھوڑی سی کمی رہ گئی ہے انہیں کہنا چاہئے تھا عوام ان کو پکڑ کر ہمارے حوالے کریں پھر ہم غور کریں گے کہ کیا یہ واقعی تخریب کار ہیں؟۔

بڑے پیمانے پر چھاپے مارے جاتے ہیں اور گرفتاریاں ہوتی ہیں' لوگ کہتے ہیں عید سر پر ہے انہیں بھی اپنے بچوں کے لئے کپڑے لینے ہیں۔ اس تنخواہ میں گزر نہیں ہوتا۔ مہنگائی اپنے عروج پر ہے۔ پھر وہ کہاں جائیں۔ قانون نام کی کوئی شے نہیں ہے' قانون کے محافظ ہی جب قانون شکنی پر اتر آئیں تو انسانوں کا تحفظ ختم ہو جاتا ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ مرکز سے لے کر صوبے کی سطح تک یعنی صدر محترم سے لے کر تمام مقتدر حضرات ایک ہی لہجے میں بولتے ہیں جیسے کوئی قوال جب کوئی مصرعہ اٹھاتا ہے تو اس کے تمام ہمنوا اس مصرعے پر دھاوا بول دیتے ہیں۔ یہ مصرعہ ہے۔ "دہشت گرد" را کے ایجنٹ ہیں۔ "را کے ایجنٹ ہیں"۔ کوئی پوچھنے والا نہیں کہ آپ کاہے کو بڑی بڑی فوج اور فورسز لئے بیٹھے ہیں!۔ جتنے زیادہ تھانے ظہور میں آ رہے ہیں' اسی تناسب سے جرائم بھی بڑھ رہے ہیں۔ پورے شہر میں لاقانونیت کا راج ہے۔ ۷۵ فیصد وارداتوں کی خبریں

شائع نہیں ہوتیں۔ بھتہ وصول کرنے والوں کے بہت سے گروپ وجود میں آچکے ہیں۔ ان کے نمائندے پہنچتے ہیں اور جو کچھ دن بھر کی بکری ہوتی ہے وہ سمیٹ کر لے جاتے ہیں۔ یہ آئے دن کا معمول ہے' اگر دکاندار کے پاس سے کم پیسے برآمد ہوئے ہیں تو اسے اس کی سزا ملتی ہے اور اگر اس نے مزاحمت کی تو زندگی سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے۔ نیو کراچی جو غریب علاقہ ہے' وہاں کے دکانداروں نے بتایا کہ وہ ہمیں نوٹس دے گئے ہیں کہ اتنے پیسے تیار رکھو ورنہ تمہاری عید زمین پر نہیں ہوگی۔

یہ ساری آفت اسی علاقے میں ہے جس نے پیپلزپارٹی کو ووٹ نہیں دیئے تھے۔ آخر ان کو اس کی سزا تو ملنی چاہئے۔ حالات اسی طرح چلتے رہے تو بے روزگاری کا خاتمہ ہو جائے گا' کیونکہ مرنے والے زیادہ تر نوعمر لڑکے ہیں۔ نہ داخلے کا مسئلہ رہے گا نہ ملازمت کا۔ پروفیسر غفور احمد صاحب نے یہ بات کہی ہے کہ حالات اگر درست نہ ہوئے تو اس شہر میں صرف بوڑھے اور عورتیں رہ جائیں گی۔ اگر ایسا ہو تو ایک اہم مسئلہ تو حل ہو جائے گا جس کے لئے حکومت کوشاں ہے۔ حقوق انسانی کی تنظیموں کو چاہئے کہ وہ مل کر کوشش کریں کہ "نوبل انعام" اس عوامی پارٹی کو دیا جائے کیونکہ اس کا استحقاق ثابت ہو چکا ہے۔

کراچی والے بھی خوب ہیں۔ ہر تحریک میں پیش قدمی کرتے تھے۔ ان کے پیٹ میں جمہوریت کا مروڑ بہت ہوا کرتا تھا۔ اب وہ اپنے ہی قتل پر احتجاج بھی نہیں کرتے۔ لوگ کہتے ہیں کہ کراچی والوں نے اپنے تحفظ کے لئے ہر محلے میں جو گیٹ بنائے تھے جس پر چوکیدار متعین کئے گئے تھے تاکہ چوری ڈکیتی سے محفوظ رہیں' پہلے ان کے گیٹ توڑے گئے پھر ان کے پاس جو قانونی اسلحہ تھا وہ جمع کرا لیا گیا۔ اب اس "مذبح خانے" میں کوئی دم مارنے والا نہیں۔ اس حریت فکر کی سزا تو ملنی تھی۔ جماعت اسلامی کہتی ہے کہ کراچی میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ اسلام سے انحراف کا نتیجہ ہے۔ لوگ پوچھتے ہیں کہ باقی تمام علاقوں میں عین اسلام نافذ ہے؟۔ یہاں کے لوگ تو یہ کہتے ہیں کہ یہ سارا عذاب جماعت اسلامی کی وجہ سے ہے۔ اس پارٹی کو برسراقتدار لانے والی جماعت اسلامی ہے۔ بیالیس سال پٹنے کے بعد بھی مسلم لیگ کے مقابلے میں ہر سیٹ پر اپنے آدمی کھڑا کر کے ووٹ کو تقسیم کرا دیا۔ لہٰذا اصل مجرم یہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان پر عذاب کا حصہ بہت کم ہے۔

کراچی کے حالات سدھرنے کی صرف ایک شکل ہے کہ سب لوگ "پتسمہ" لے لیں اور پیپلزپارٹی میں شامل ہو جائیں اور اقتدار کی چوکھٹ پر سجدہ سہو کر لیں۔ اصول پسندی اور جمہوریت کی رٹ چھوڑ دیں۔ اپنے تشخص کو بحر عرب میں ڈبو دیں۔ ترنگا سجا کر ان کے پیچھے دم ہلاتے ہوئے نیا سفر شروع کر دیں۔ جب تک یہ ایسا نہیں کریں گے روزانہ آٹھ دس کی قربانی اس "دیوی" کے چرنوں میں دینا ہوگی۔ OO

ہمیں تو ہر مشکل اسی ایک ذریعے سے آسان کرنی ہے

م س

کراچی کا مسئلہ اور آئینۂ قرآنی میں اس کا حل

مستقل حل سے پہلے کچھ فوری انتظامات بھی ضروری ہو گئے ہیں

ان کا یہ سوال کہ "کیا ہمارے لئے بھی کچھ ہے اختیار میں سے؟" ایک واضح جواب طلب کرتا ہے

نبی اکرم ﷺ نے جب ایک موقع پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو عنقریب ایک فتنہ برپا ہونے کی اطلاع دی اور حضرت علی ؓ نے اس سے بچنے کا راستہ دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کتاب اللہ اور پھر کتاب اللہ کی مدح میں طویل خطبہ ارشاد فرمایا جس میں یہ الفاظ بھی تھے "فیہ خبر ما بعد کم"۔ الصادق والمصدوق صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمائی ہوئی ہر بات آج بھی ایک اٹل حقیقت ہے اور اگر ہم قرآن کریم میں غور و فکر کریں تو آج جو کچھ کراچی میں ہو رہا ہے اس کا ذکر ہمیں وہاں مل سکتا ہے۔ سورۃ النحل میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ ترجمہ: "ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا کہ اگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے نوازے گا تو وہ لازماً خوب صدقہ و خیرات کریں گے اور لازماً وہ صالحین میں سے ہو جائیں گے۔ پھر جب اللہ نے انہیں اپنے فضل میں سے نوازا تو انہوں نے اس سے بخل کیا اور پھر گئے (اپنے وعدہ سے) اور وہ تھے ہی اعراض کرنے والے۔ پھر (اللہ) نے اس کے نتیجے میں ان کے دلوں میں نفاق ڈال دیا قیامت تک کے لئے جب وہ اس سے ملیں گے۔ اس وجہ سے کہ انہوں نے اللہ سے وعدہ خلافی کی اس بارے میں (جس کا انہوں نے وعدہ کیا تھا) اور بسبب اس کے کہ وہ جھوٹ بولا کرتے تھے"۔ (آیت ۷۵ تا ۷۷)

وعدہ خلافی اسلام میں جس سنگین نوعیت کا جرم ہے اس کو سمجھنے کے لئے ہمیں نبی اکرم ﷺ کے اس ارشاد گرامی پر بھی غور کرنا پڑے گا۔ کہ ترجمہ: "اس میں ایمان نہیں جس میں امانت نہیں اور اس کا کوئی دین نہیں جس میں عہد کا پاس نہیں۔"

ہم نے بھی حصول پاکستان کی جد و جہد کے دوران اللہ تعالیٰ سے عہد کیا تھا کہ "ہم پاکستان اس لئے حاصل کرنا چاہتے ہیں تاکہ اسلام کے اصول حریت و اخوت و مساوات کا ایک نمونہ دنیا کے سامنے پیش کر سکیں۔" (قائداعظم محمد علی جناح) لیکن ہم نے وعدہ خلافی کی۔ ہم نے وطن عزیز میں اسلام کے نظام عدل اجتماعی کو نافذ نہیں کیا۔ لہٰذا جس طرح سنت سے دوری بدعت تک پہونچا دیتی ہے اسی طرح اسلام کے نظام عدل کی غیر موجودگی میں مروجہ ظالمانہ اور استحصالی نظام کو قدم جمانے کا موقع مل گیا۔ جس کا ثمر یہ ملا کہ اہل وطن کو بدترین ظلم اور جبر و استحصال کا

سامنا کرنا پڑا۔ جس نے قومی وحدت کو پارہ پارہ کر کے رکھ دیا۔ جب قوم نہ رہی تو قومیتوں نے اس کی جگہ لے لی اور سب سے پہلے بنگلہ قومیت کا نعرہ بلند ہوا جس کے نتیجے میں ملک دولخت ہوا۔ اور کیوں نہ ہوتا ناانصافی کے نتیجے میں تو سگے بھائیوں میں بھی علیحدگی ہو جاتی ہے۔

بنگال کا وہ حصہ جسے ہم مشرقی پاکستان کہتے تھے تحریک پاکستان کا ہراول دستہ تھا جہاں اس مسلم لیگ کی پیدائش ہوئی جو عالم اسباب میں تخلیق پاکستان کا سبب بنی۔ جب اس کے حقوق پر ڈاکہ ڈالا گیا تو سب سے پہلے اسی نے علم بغاوت بلند کیا۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ اللہ تعالیٰ کے اس انتباہ سے سبق حاصل کر کے اصلاح کی جانب پیش قدمی کی جاتی لیکن ہماری سرکشی بڑھتی چلی گئی جس کے نتیجے میں آج ہمارا ملک اپنی تاریخ کے بدترین دور سے گزر رہا ہے۔ قومیتوں کے عروج پر مستزاد بھیانک مذہبی فرقہ آرائی نے اس ملک کی بقا کو شدید خطرے سے دوچار کر رکھا ہے اور کوئی دن نہیں جاتا جب ۱۰، ۲۰ افراد کے قتل کئے جانے کی اطلاع نہیں ملتی۔

اب غور طلب بات یہ ہے کہ اس نازک موڑ پر وہ کون سے اقدامات کئے جائیں جس سے پاکستان کی بقاء کی ضمانت بھی حاصل ہو اور ایسے حالات پیدا ہوں جس سے ایک اسلامی معاشرہ وجود میں آ سکے۔ آیئے اس کا جواب بھی قرآن کریم سے تلاش کرتے ہیں۔ سورۂ یونس میں ارشاد ربانی ہے۔ ترجمہ: "سو کیوں نہ ہوئی کوئی بستی ایمان لاتی پھر کام آتا ان کو ایمان لانا مگر یونس علیہ السلام کی قوم جب وہ ایمان لائی اٹھا لیا ہم نے ان پر سے ذلت کا عذاب دنیا کی زندگی میں۔ اور فائدہ پہونچایا ہم نے ان کو ایک وقت تک"۔ (سورۂ یونس آیت۔ ۹۸)

اس آیت میں ہمارے لئے سبق یہ ہے کہ اگر ہم اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور اس کے عذاب سے بچنا چاہتے ہیں تو ہمیں بھی قوم یونس کی طرح توبہ النصوح کا راستہ اختیار کرنا پڑے گا۔ ہر شخص انفرادی طور پر خلوص دل کے ساتھ اپنی کوتاہیوں پر اللہ تعالیٰ کے سامنے شرمندگی کا اظہار کرتے ہوئے اس کے حضور توبہ کرے۔ اس طرح جب قوم کے افراد کی ایک کثیر تعداد توبہ کے بعد منظم ہو کر وطن عزیز میں خالصتاً "لوجہ اللہ" اللہ کے دین کی سربلندی کی جد و جہد کا آغاز کریں اور اس کے نظام عدل اجتماعی کے نفاذ کے لئے سر دھڑ کی بازی لگانے کے لئے تیار ہو جائیں۔ اس کے لئے انہیں نبی اکرم ﷺ کے اسوہ حسنہ کے اس پہلو کا بغور مطالعہ کر کے طریقہ کار وضع کرنا پڑے گا جس میں ہمارے لئے اسلامی انقلاب کے برپا کرنے میں رہنمائی ہو۔ کیونکہ جب زندگی کے ہر شعبہ میں اسوہ حسنہ میں ہمارے لئے رہنمائی موجود ہے تو انقلاب اسلامی کے لئے رہنمائی بھی یقیناً موجود ہے۔

یہ تو ہے مسئلہ کا اصل علاج لیکن یہ ایک وقت طلب علاج ہے۔ ابھی صورت حال یہ ہے کہ مریض کی حالت انتہائی نازک ہے۔ بخار جس درجے کو پہونچ چکا ہے اگر اسے فوری طور پر اتارنے کا بندوبست نہ کیا گیا تو یہ مریض کے لئے "موت کا پیغام" بھی بن سکتا ہے۔ لہٰذا ضرورت ہے فوری تدابیر اختیار کرنے کی۔

کراچی کا مسئلہ یہ ہے کہ اس کے باشندے شدید احساس محرومی کا شکار ہیں۔ ھل لنا من الامر من شیء" (کیا ہمارے لئے بھی کچھ ہے اختیار میں سے) کی ان کی پکار کا اگر مثبت جواب نہ دیا گیا تو ہمارے ازلی دشمن بھارت اور اسرائیل صورتحال کو اپنے مفاد میں استعمال کر سکتے ہیں۔ امریکہ تو یہودیوں کا پشت پناہ ہے ہی اب اس نے ہندوستان کے ساتھ بھی دفاعی معاہدہ کر لیا ہے۔ اگر لوگ بھولے نہ ہوں تو یہی صورتحال مشرقی پاکستان میں بھی پیش آئی تھی اور سقوط ڈھاکہ اس دفاعی معاہدے کا نتیجہ تھا جو بھارت اور روس میں اس وقت ہوا تھا جبکہ بنگلہ دیش کی تحریک شروع ہوئی تھی۔ لہٰذا ہمیں ماضی سے سبق حاصل کرتے ہوئے فوری طور پر اہل کراچی کو ان کے مسائل کا حل خود انہیں ہی تلاش کرنے کا موقع فراہم کرنا چاہئے۔ اس

(باقی صفحہ ۲۲ پر)

بقیہ: تراشے

بندے کسی جبر اور تنگی کے بغیر اپنے رب سے لو لگانے میں آزاد ہوں۔

مسلمان ہمیشہ سے قیامت اور یوم جزا و سزا کے بارے میں حساس رہے ہیں اور قرب قیامت کی جو نشانیاں نبیؐ نے بتائی ہیں ہر دور میں ان کے حوالے سے لوگ حالات و واقعات کا جائزہ لینے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ پہلے زمانے میں جب بھی کوئی خلاف معمول واقعہ رونما ہوتا' لوگ فوراً اللہ کی جناب میں رجوع کرتے اور توبہ تائب ہوتے۔ پھر جب زوال کا دور آیا تو ایسے واقعات پر لوگ الٹا ہاتھ چھوڑ کر بیٹھ رہتے' کہ جب تک حضرت مہدی نہیں آتے اب کوئی کوشش کرنا بے سود ہے۔ سلمان العودہ کی تقریروں میں بھی قرب قیامت کا بہت تذکرہ ہوتا ہے مگر ان کا اس بارے میں زاویہ نگاہ مختلف ہے وہ کہتے ہیں کہ قیامت کے قریب آنے کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کا عالمی غلبہ اب زیادہ دور کی بات نہیں۔ نبیؐ کا ایک قول ہے کہ اسلام آغاز میں اجنبی اور بے یار و مددگار تھا ایک دور آئے گا کہ اسلام دوبارہ اسی طرح اجنبی اور بے یار و مددگار ہو کر رہ جائے گا۔ لیکن مبارک ہیں وہ لوگ جو اس کس پرسی کے عالم میں بھی اسلام کا دامن نہیں چھوڑیں گے۔ شیخ سلمان اس حدیث سے لوگوں کو جہاد کے لئے جوش اور جذبہ دلاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ باطل کے ساتھ آخری معرکہ ہو کر رہنا ہے۔ اس سے فرار ممکن ہی نہیں تو کیوں نہ جواں مردوں کی طرح آگے بڑھ کر اس کا استقبال کرنے کی تیاری کریں۔

امت مسلمہ کی جہاں یہ دینی ذمہ داری ہے کہ وہ ایک اللہ کے سوا کسی کی پناہ طلب نہ کرے وہیں اس کے لئے یہ مقدر بھی ہو چکا ہے کہ اللہ کے سوا اسے کہیں سے پناہ نہیں ملے گی۔ لہٰذا یہ صرف کسی ایک یا دوسرے حکمران کا مسئلہ نہیں' پوری امت بحر ظلمات میں غرق ہو چکی ہے۔ نوجوان مسلمانوں کو ہمت کر کے اٹھنا چاہئے اور امت کو کھینچ کر اس سے باہر نکالنا چاہئے۔ اب کسی نبی کو نہیں آنا' عام انسانوں کے ہاتھوں ہی عالمی غلبہ دین کا یہ کام ہونا ہے۔ ہم یہ سعادت حاصل نہیں کریں گے تو دوسرے کوئی کر لیں گے۔ ہونا تو اسے بہرحال ہے۔ یہ نبی آخری الزمانؐ کا فرمایا ہوا ہے۔ جہاں تک ہمارا معاملہ ہے جیلوں میں ڈالنے اور اذیتیں دینے سے ہمارے حوصلے پست نہیں کئے جا سکتے' اس لئے کہ ہم نے اپنے رب کی رضا کے لئے اپنا سب کچھ قربان کرنے کا عہد کیا ہے لہٰذا وہ اگر چاہے گا تو ہماری حفاظت بھی کرے گا۔ آخر میں انہوں نے اپنے سامعین سے اپنے لئے اور اپنے ساتھیوں کے لئے خصوصی دعا کی درخواست کی۔

سلمان العودہ نے امام محمد ابن سعود اسلامک یونیورسٹی سے گریجوایشن کیا تھا۔ انہوں نے تاریخ' سیاست اور فلسفہ میں تعلیم حاصل کی ہے۔ وہ امریکہ وغیرہ بھی جاتے رہے ہیں اور بین الاقوامی معاملات پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ ان کے چھ بچے ہیں' تین بیٹے اور تین بیٹیاں۔

فری میسن تحریک

ہر جگہ اس کے کام کا انداز مختلف ہے

ہندوستان میں فری میسن تحریک نے کیسے پاؤں پھیلائے؟

فقہ اکیڈمی دہلی میں ایک محقق جناب اسرار عالم کے چونکا دینے والے لیکچر سے ماخوذ۔ قسط دوم

گزشتہ دو سو سالوں میں عالم اسلامی کے مختلف خطوں میں سیکولرائزیشن کے کم از کم دس تجربات دس پیٹرن کے تحت کئے گئے۔ اس کے تحت ان کی بنیادی کوشش مسلمانوں کو دین کے سرچشمے سے فکری، ایمانی اور عملی طور پر الگ کر دینے کی تھی۔

۱۔ ترکی کا پیٹرن (Turkish pattern)

چونکہ ترکی میں خلافت عثمانیہ قائم تھی اور آستانہ عالم اسلامی کا سیاسی مرکز تھا لہٰذا وہ یہودیوں کی توجہ کا اولین مرکز بن گیا۔ وہاں استعمال کئے گئے پیٹرن میں ترکی نژاد یہودی جو دونمہ کہلاتے ہیں اور مشرقی یورپ کے یہودی جو اشکنیازم کہلاتے ہیں نے نہایت اہم رول ادا کیا۔

۲۔ جزیرۃ العرب کا پیٹرن (Arabian Pattern)

یہودیوں کا سب سے خطرناک اور خفیہ پیٹرن جزیرۃ العرب کا پیٹرن ہے۔ اس پیٹرن کے تجربات سترہویں صدی کے نصف آخر سے شروع ہوتے ہیں اور اٹھارہویں صدی کے اوائل میں واضح تر ہو جاتے ہیں۔ یہ پیٹرن عیسائی دنیا میں آزمودہ کالونسٹ Calvinist Pattern سے بہت ملتا جلتا ہے۔

۳۔ مصر کا پیٹرن (Egyptian Pattern)

تیسرا پیٹرن مصر میں اختیار کیا گیا۔ نپولین بونا پرتے کی آمد سے ہی ایک نئے پیٹرن کی داغ بیل پڑ چکی تھی۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ نپولین کی آمد بنیادی طور پر اسی مقصد کے تحت تھی۔ اس کا عکس شیخ عبدالرحمٰن جبرتی کی کتاب "عجائب الاثار فی التراجم والاخبار" میں ملتا ہے شیخ محمد مہدی، حسن عطار، شہاب الدین مولف، عبداللہ ندیم، قاسم بک امین کا از سر نو مطالعہ کیا جانا چاہئے۔

آپ کو یہ جان کر سخت حیرت اور افسوس ہوگا کہ ان کی سازشوں سے جامعۃ الازہر بھی محفوظ نہیں رہ سکا۔ یہودیوں نے اپنے تربیت یافتہ ماہرین کو ازہر میں طالب علموں کی طرح داخل کروایا جو چند سالوں میں نہ صرف یہ کہ فارغ ہو کر عالم اسلامی کے مختلف گوشوں میں پھیل گئے بلکہ اپنی اپنی جگہ صاحب رسوخ بھی ہو گئے۔ انیسویں صدی کے ختم ہوتے ہوتے یہودی مصری زندگی میں پوری طرح دخیل ہو گئے۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اقوام متحدہ کے موجودہ سکریٹری جنرل بطروس غالی کے دادا جو یہودیوں کے بڑے آلہ کار تھے مصری پاشاؤں کے یہاں سیاہ و سفید کے مالک ہو گئے تھے۔

مصر کے اس پیٹرن کا تیسرا مرحلہ جنرل نجیب اور بطور خاص جمال عبدالناصر کے اقتدار پر قابض ہونے سے شروع ہوا جو بالآخر انورالسادات کے ہاتھوں اسرائیل سے کیمپ ڈیوڈ معاہدہ کی صورت میں نکلا۔

یہاں اس کا تذکرہ کرنا برمحل معلوم ہوتا ہے کہ یہودیوں کے طریقوں میں ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ وہ بالکل ابتدائی مرحلوں میں اپنے افراد کو اپنے دشمنوں کی صف میں شامل کر دیتے ہیں جو وہاں کچھ دنوں میں خاصے بارسوخ ہو جاتے ہیں۔ پھر بعد میں جب انہیں موقع ملتا ہے تو وہ اپنی شہرت، مقبولیت اور رسوخ کے پردے میں یہودیوں کے لئے کارہائے نمایاں انجام دیتے ہیں جن کا عام حالات میں تصور کرنا محال ہے۔

اخوان المسلمین جیسی تحریک میں نوجوان جمال عبدالناصر اور انورالسادات کی یہی صورت حال تھی۔ ۱۹۵۴ء میں انقلاب کے برپا ہوتے ہی جمال عبدالناصر نے اخوان المسلمین کو بربریت کے ساتھ کچلنا شروع کیا۔ ۱۹۷۰ء میں ناصر کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد انورالسادات نے کیمپ ڈیوڈ معاہدے پر دستخط کر دیئے۔ واضح ہو کہ سادات ایک مشہور فری میسن تھا۔ اور اس کی بیوی جہاں ایک معزز یہودی خاتون ہے۔ مصر کا کیمپ ڈیوڈ معاہدہ پر دستخط کرنا پورے ملت اسلامیہ کی فلسطین پالیسی سے انحراف اور غداری کے مترادف ہے۔

سادات کی بیوی کی یہودیوں میں توقیر اور عزت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ جب عالمی یہودی کانگریس میں دو بڑے مذہبی طبقوں میں اختلاف رونما ہوا تو اسے ثالث اور حکم قرار دیا گیا۔

۴۔ غیر منقسم ہندوستان کا پیٹرن
(Pattern of Undivided Inida)

غیر منقسم ہندوستان کے پیٹرن کا آغاز سرسید احمد خان سے ہوتا ہے۔ ان کے مزاج کی تبدیلی ۱۸۴۰ء کے بعد ہوئی۔ سرسید نے سیکولرائزیشن کی طرف پہلا قدم ۱۸۶۳ء میں بڑھایا۔ بہت ممکن ہے کہ وہ اپنی ذات کے اعتبار سے اسلام اور مسلمانوں کے لئے مخلص ہوں لیکن ایسا لگتا ہے کہ وہ ایسے لوگوں میں گھر گئے جو فری میسن ہو چکے تھے۔ ان میں مراد آباد کے راجہ جے کشن داس اور سلطنت آصفیہ کے سرسالار جنگ قابل ذکر ہیں۔

یہودیوں کا طریقہ عمل:

مسلم معاشرے میں یہودیوں کا طریقہ عمل کیا ہوا کرتا ہے اس کا جاننا نہایت ضروری ہے یہودیوں کا پہلا طریقہ کار ہے اپنی جملہ قوت سے آگاہی، اپنے مضبوط اور کمزور پہلوؤں کا لحاظ اور قوم کی پوری صلاحیت کو

مجتمع کرنا۔

ان کا دوسرا عمل ہے اپنے دشمنوں سے متعلق تمام باتوں حتیٰ کہ چھوٹی سے چھوٹی جزئیات سے کماحقہ آگاہی۔ چنانچہ انہوں نے عیسائیوں کے خلافت معرکہ آرائی سے پہلے یوروپ میں ان کی تمام جزئیات سے آگاہی حاصل کی۔ اسی طرح انہوں نے عالم اسلام کا بے حد گہرائی کے ساتھ مطالعہ کیا۔ یہاں یہ بات اچھی طرح واضح رہنی چاہئے کہ مستشرقین کا اسلامی اور مشرقی علوم میں مہارت حاصل کرنے کی بنیادی وجہ ان کی جزئیات کو سمجھنا تھا۔ لہٰذا وہ معلومات کی درآمد سے زیادہ متعلق رہے اور ان کو مثلاً عربی فارسی، ترکی یا اردو کے ادیب ہونے کی خواہش نہیں ہوئی الا یہ کہ کوئی یہودی خود اہل زبان ہو۔

جملہ معترضہ کے طور پر یہ عرض کرنے کو جی چاہتا ہے کہ ہمارے آج کے اچھے خاصے سمجھدار مسلمانوں کا رویہ اس کے بالکل برخلاف ہے۔ وہ مغرب کی جزئیات کی معلومات کو عالم اسلامی کے سواد اعظم کو منتقل کرنے سے زیادہ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ عالم اسلامی کی باریک سے باریک بات اس سے پہلے کہ خود اسلامی سواد اعظم کو ان کی حقیقت و تفصیل معلوم ہو مغربی زبانوں میں پیش کرنے کے زیادہ شوقین نظر آتے ہیں۔ شاید یہ جلد شہرت حاصل کرنے کا ایک بہترین ذریعہ ہے۔

چنانچہ ماضی کی بات تو درکنار میرے ایک دوست نے جن کی ایک بڑے جرمن مستشرق سے دیدشنید ہے بتایا کہ گزشتہ کئی سالوں سے سے ان کا ادارہ تصوف کی باریکیوں کا مطالعہ کروا رہا ہے اور یہ ایک اتنا بڑا منصوبہ ہے جس پر کروڑوں ڈالر کا صرفہ آ سکتا ہے۔

ہندوستان میں یہ عناصریوں تو اکبر کے زمانے سے ہی آنا شروع ہوگئے تھے لیکن جہانگیر کے زمانے میں ان کا کام زیادہ منظم ہو گیا۔ اس دور میں ان کی شناخت اکثر و بیشتر بحیثیت شیعوں یا باطنیوں کے اعتبار سے کی جاتی تھی۔ چنانچہ جن بزرگوں نے اس وقت ان فتنوں سے نبرد آزمائی کی ان کا ہدف عموماً شیعہ یا باطنی رہے۔

شاہ عبدالحق محدث دہلوی سے لے کر حضرت مجدد الف ثانی تک اور شیخ عبدالکریم سیالکوٹی سے شاہ کلیم اللہ دہلوی، شاہ ولی اللہ دہلوی، مرزا مظہر جان جاناں، شاہ نظام الدین اورنگ آبادی، شاہ فخرالدین دہلوی اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی کوششیں اسی کا پتہ دیتی ہیں۔

یہاں اس بات کی غلط فہمی نہیں ہونی چاہئے کہ شیعہ خود تشویش کا باعث نہ تھے۔ لیکن ہندوستان میں شیعوں کی سرگرمیاں کلیتاً مسلکی تھیں۔ یعنی وہ اس کے خواہش مند تھے کہ ہندوستان میں ان کے مسلک کو قوت اور ترویج حاصل ہو۔ ان کے ساتھ ایک دوسرا عنصر بھی تھا جو خالصتاً سیاسی تھا، یعنی ایران کی حکومت اور سلطنت مغلیہ کے مابین مفادات کی کشمکش۔ ظاہر ہے اکثر حالات میں شیعان ہند کی ہمدردیاں اہل ایران کے ساتھ ہو جاتیں۔ اکثر و بیشتر انہیں اس کی چنداں پرواہ نہیں رہتی تھی کہ بحیثیت مسلمان تمام اہل اسلام کو ہندوستان میں کس قومی کشمکش کا سامنا ہے۔ پھر بعض وجوہات سے اہل تشیع کی دیواریں کسی عالمی کشمکش کے مقابلے کے لئے کما حقہ مضبوط نہیں تھیں۔ چنانچہ حضرات اثنا عشری کو چھوڑ کر دیگر طبقات بڑی آسانی سے آلۂ کار بنا لئے جاتے تھے۔ اور کبھی ایسا بھی ہوا کہ شیعوں کے نام سے دوسروں نے سازش کی۔

لہٰذا ہندوستان میں اہل تشیع اور اہل تسنن کی کشمکش کا دوبارہ آغاز عہد ہمایونی میں ہوا۔ اس کے پیچھے کوئی اور قوت تھی یا اس نے اس کشمکش کا فائدہ اٹھایا یہ ایک جدا تاریخ ہے۔ ہاں اس کشمکش کے نتیجے میں جو بات سب سے پہلے رونما ہوئی وہ یہ تھی کہ اس مقامی نسلی قوت کو جو بے محض ہو گئی تھی اپنی طاقت مجتمع کرنے کا موقع مل گیا۔

یہی وہ وقت تھا جب یہود ہندوستان میں سرگرم ہوئے۔ جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ ہندوستان میں یہودیوں کی سب سے بڑی اور قد آور شخصیت سرمد کی گزری ہے۔ سرمد کے علاوہ تین ایسی شخصیتیں ہیں جن کا مشن پردۂ خفا میں ہے۔ پہلی شخصیت سرمد کے پیر ہرے بھرے شاہ کی دوسری شخصیت سرمد کے خلیفہ سید شاہ المعروف بہ ہنگامدنی کی اور تیسری شخصیت نمود و انمودی۔

تاریخ کے مطالعے سے ایسا لگتا ہے کہ سرمد فری میسن کے مشرقی مرکز سے تعلق رکھتا تھا۔ چنانچہ اس دور میں اس کے کاموں کا زور سات نقطوں پر تھا جو بعد میں نو امور تک پھیل گیا۔

(۱) فری میسن کی پہلی کوشش اس بات کی ہوتی تھی جو ان کی بنیادی تکنیک رہی ہے، کہ بااثر حلقوں میں رسوخ حاصل کیا جائے۔ بادشاہ، شاہزادے، ملکہ، شہزادیاں، حرم کی دیگر خواتین، امرا، بڑے تاجران کے اولین ہدف ہوا کرتے تھے۔

چنانچہ سرمد کچھ ایسے غیر معمولی طریقے سے داراشکوہ کو اپنے حلقہ اثر میں لانے میں کامیاب ہو گیا کہ اگر عالمگیر جیسی ذہین اور ہمہ جہت شخصیت نہ ہوتی تو مشرق کی سب سے بڑی سلطنت کے سیاہ و سپید کے مالک یہودی عہد شاہجہانی میں ہی ہو چکے ہوتے۔ بعد کے مغل بادشاہوں کے دربار میں بارسوخ تین ایسی شخصیتوں کے نام لئے جا سکتے ہیں جن کا تعلق اس تحریک سے ہو سکتا ہے۔ ان میں پہلی شخصیت اسرائیل سرحاد کی ہے جو ارمنی یہودی تھا اور خواجہ سرحاد کے نام سے مشہور تھا۔ دوسری شخصیت ڈان جولیانا المعروف بہ بی بی جولیانا کی تھی۔ اسی طرح تیسری شخصیت خواجہ آبنوس کی تھی۔

خواجہ سرحاد کے رسوخ کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ اس کے دوستوں میں تقرب خاں، خان دوران اور صلابت خان جیسے افراد کا نام ملتا ہے۔ بی بی جولیانا جو خود کو عیسائی ظاہر کرتی تھی اور حرم میں داخل تھی براہ راست ملکہ اور شہزادیوں بلکہ بادشاہ کے توسط سے احکام شاہی میں دخیل تھی۔ آخری مغل تاجدار کے زمانے میں حکیم احسن اللہ خان، بہادر شاہ ظفر کے سمدھی الٰہی بخش مرزا اور مرزا اسد اللہ خان غالب کا تعلق خواہ آلہ کار ہی کی حیثیت سے ہو فری میسن سے نظر آتا ہے۔

(۲) یہودیوں کی دوسری کوشش دینی اور مذہبی طبقے میں رسوخ حاصل کرنے کی ہوتی تھی۔ لہٰذا اس اعتبار سے بڑے مشائخ اور علماء کے خانوادے ان کے اولین ہدف ہوا کرتے تھے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ اس میں خاصے کامیاب ہوئے۔ ان کی کامیابی کی کم سے کم صورت یہ تھی کہ انہوں نے بعض مشائخ کو ان کاموں سے یکسر الگ کر دیا جو ہندوستان میں مثلاً خواجگان چشت اور خواجگان فردوسیہ کا طرۂ امتیاز تھا۔

(۳) ان کی تیسری کوشش مسلم حکمرانوں، مشائخ اور علماء اور عوام کو ایک دوسرے سے الگ کر دینے کی ہوتی تھی۔

(۴) یہودیوں کی چوتھی کوشش مسلم عوام میں افراتفری پھیلانے کی ہوتی تھی۔ وہ اس سلسلے میں ہر طرح کی لاقانونیت اور طوائف الملوکی ہوا دیتے تھے۔ اس سے پہلا فائدہ تو یہ ہوتا تھا کہ عوام چند دنوں کے بعد ارباب حل و عقد سے متنفر ہو جاتے تھے۔ اس کا دوسرا فائدہ یہ ہوتا تھا کہ ملک میں واقع ہونے والی باتوں سے رفتہ رفتہ عوام لاتعلق رہنا پسند کرنے لگتے

تھے۔ اس سے تیسرا فائدہ یہ ہوتا تھا کہ نازک سے نازک گھڑی میں تینوں طبقات یعنی حکمراں' مشائخ و علماء اور عوام میں یہ داعیہ پیدا نہیں ہوتا تھا کہ وہ باہم مربوط ہو کر کسی بحران کا مقابلہ کریں۔ یا کسی نعمت غیر مترقبہ سے فائدہ اٹھا سکیں۔ اس کی سب سے بڑی مثال پانی پت کی تیسری جنگ ہے۔

(۵) مذکورہ چار طریقوں کے علاوہ یہودی کچھ دیگر طریقوں کا بھی استعمال کرتے تھے۔ مثلاً ایسے حکمرانوں یا امراء کا خاتمہ یا انہیں بے دخل کر دینا جو ان کی راہ میں رکاوٹ بن سکتے تھے۔ چنانچہ خود اورنگ زیب کا خاتمہ کرنے کے لئے دارا کو آمادہ کرنا اور اسے بادشاہ بننے کی بشارت دینا' آصف الدولہ کو دہلی چھوڑنے پر مجبور کرنا وغیرہ۔

(۶) اس سلسلے کا چھٹا طریقہ مخالف مشائخ کا خاتمہ کرنا تھا۔ جس کی مثال حضرت مرزا مظہر جان جاناں کی شہادت' شاہ فخر الدین دہلوی پر ناکام قاتلانہ حملہ وغیرہ ہے۔

(۷) اس سلسلے کی ساتویں تدبیر باشعور اور مزاحم علماء کا خاتمہ کرنا تھا۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے ہاتھوں کو توڑ کر مفلوج کر دینا اور پورے خانوادے کو دہلی بدر کر دینا اسی سلسلے کی کڑیاں ہیں۔

(۸) یہودیوں کی آٹھویں کوشش یہ ہوتی تھی کہ علماء کو آپس میں یا علماء اور مشائخ کو ایک دوسرے سے لڑوا دیا جائے۔

(۹) انیسویں صدی کے شروع ہوتے ہی انہوں نے ایک نئی کوشش کا آغاز کر دیا۔ یہ کوشش تھی ایک طرف علماء کو خفیہ طریقے سے اس طرح آپس میں لڑانا کہ کسی کو محسوس نہ ہو کہ وہ فی الواقع کسی کے آلۂ کار کی طرح لڑ رہے ہیں اور دوسری طرف اس لڑائی کو عامتہ المسلمین تک پہنچا کر پورے معاشرے میں لڑائی کی آگ بھڑکا دینا۔ چنانچہ پوری انیسویں صدی میں ہندوستان کی تاریخ اور بطور خاص دہلی کی تاریخ اس پر شاہد عدل ہے کہ یہ ایک تیسری طبقے کی کاروائی تھی جس کا مرکز دہلی تھی۔ اور مسلم سواد اعظم کا اس سے فی الواقع کوئی تعلق نہیں تھا۔ اس لئے ۱۸۵۷ تک ان جھگڑوں کا مرکز صرف دہلی رہا۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کو جس سخت آزمائش کا سامنا رہا ہے اس کا تقاضا تھا کہ ہر زمانے میں مسلم حکمراں' مشائخ و علماء اور عامتہ المسلمین کے مابین نہایت گہرا ربط رہتا۔ جس کے بخوبی اندازہ ترک بادشاہوں کے زمانے کی تاریخ سے ہو جاتا ہے۔

یہ بات ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ اس خطے میں اسی وقت اسلام اور مسلمانوں پر آفت آئی ہے جب حکمرانوں' مشائخ و علماء اور عامہ المسلمین کے مابین ربط کمزور پڑ گیا یا مربوط ہونے کے بجائے وہ ایک دوسرے سے دست و گریباں ہو گئے۔

چنانچہ یہاں کی نزاکتوں کا لحاظ کرتے ہوئے اس کی ہر زمانے میں شدید ضرورت رہی ہے کہ مسلم حکمران یا جوان کاموں کے وارث ہوں اور مشائخ علماء اور عامتہ المسلمین کے مابین ہمہ وقت اور شفاف Transparent ربط قائم رکھا جائے۔

اپنے خاص لوگوں اور آلہ ہائے کار کے کاموں سے الگ یہودیوں کے پانچ اور ایسے طریقے ہیں جن کا استعمال کر کے وہ مخلص مسلمانوں کو کمزور کر دیتے ہیں۔ ان طریقوں کی اہمیت اس اعتبار سے اور بڑھ جاتی ہے کہ اس میں انہیں کم سے کم طاقت لگانا پڑتی ہے۔ اور زیادہ سے زیادہ مقصد بر آری ہوتی ہے۔ یہ ایک قسم کی بالواسطہ جنگ Proxy War ہے جس میں سراسر نقصان مسلمانوں کا ہوتا ہے۔ وہ پانچ طریقے درج ذیل ہیں۔

(۱) مسلمانوں کے مختلف طبقات مثلاً حکمران' مشائخ' علماء' تاجر' فوجی افسران' عوام خواہ وہ تعلیم یافتہ ہوں یا غیر تعلیم یافتہ مرد و خواتین اور نوجوانوں کو باہم برگشتہ کر کے مختلف عنوانات کے تحت علمی اور فکری لڑائی میں الجھا دینا۔ یہ کام دور سے خود یا کسی آلہ کار کے ذریعہ دیوار پر شیرہ لگانے کے مانند ہوتا ہے۔ اور مخلص مسلمانوں کے مختلف طبقات محض سادگی میں اس کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اس مدت میں یہودی یا تو مزید رسوخ حاصل کر کے اپنی جڑیں مضبوط کرتے ہیں یا اپنے مقاصد تک پہنچ جاتے ہیں۔ چنانچہ گزشتہ دو سو سالوں سے عالم اسلامی میں جتنے مباحثے مناظرے اور لڑائیاں ہوئی ہیں ان میں بیشتر اسی کے شاخسانے ہیں۔

(۲) دوسرا طریقہ ہے مسلمانوں کی نمائندہ مرکزی قوت کو بے اعتبار کرنا یا ختم کر دینا۔ چنانچہ خلافت عثمانیہ کے خاتمے کے لئے کی جانے والی بے شمار کوششیں' مشروطیت' نوجوان ترکوں Young Turks کا ظہور' عرب قومیت اور لارنس آف عربیا کے کارنامے سلطنت قاچار میں بہائیوں کی کوششیں' اور برصغیر میں سلطنت مغلیہ کے دو ستونوں سنیوں اور شیعوں' کو باہم لڑانا اسی کا حصہ تھا۔ ۱۹۵۱ء کی کراچی سازش' شاہ فیصل کا قتل' عراق کی تباہی اور اس وقت پاکستان کو بار بار دی جانے والی امریکہ کی دھمکی اسی قبیل کی باتیں ہیں۔ انقلاب ایران کے بعد عراق ایران جنگ اور اس موقع پر شیعہ اور سنی بحث و مباحثہ بھی اسی کا حصہ تھے۔

(۳) ان کا تیسرا طریقہ ہے مسلمانوں کے ذہین طبقات کو مختلف سازشوں سے بے اعتبار کر دینا۔ اس کے لئے وہ ان کے خلاف غلط باتیں پھیلاتے ہیں۔ ایسی شخصیتوں کی جن سے ان کو خطرہ ہو جاسوسی کرتے ہیں ان کی لغزشوں کے ثبوت کو محفوظ رکھتے ہیں اور انہیں موقع پر استعمال کرتے ہیں اور ان کے خلاف باضابطہ مہم چلاتے ہیں اور بعض اوقات انہیں بلیک میل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

(۴) ان کا سب سے موثر طریقہ کار یہ ہے کہ وہ دو مخلص مسلمانوں کو یا دو طبقات کو نہایت خفیہ طریقے سے اس طرح لڑا دیتے ہیں کہ دونوں مخلص افراد یا طبقات جو فی الواقع اس سازش سے بے خبر ہوتے ہیں یہ باور کرتے ہیں کہ وہ حق کے اظہار کی جد و جہد کر رہے ہیں اور اپنی اپنی جگہ ایسا سمجھنے میں وہ بہت حد تک حق بجانب بھی ہوتے لیکن دراصل وہ بالواسطہ ایسی بحث یا نزاع میں پڑ کر یہودیوں کی سازش کا شکار ہو جاتے ہیں۔

۱۹ ویں صدی میں مقلدین و غیر مقلدین کے نزاعات اسی نوعیت کے ہیں۔ چونکہ ان دونوں خاندان ولی اللہی دہلی کا علمی مرکز تھا لہٰذا اسے توڑنے اور برباد کرنے کی سازش کی گئی۔ اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے انتقال فرماتے ہی وہ آخری شخصیت بھی چلی گئی جو سد راہ بن سکتی تھی۔ چنانچہ اسی خاندان سے مستفید و فیض یاب افراد کے مابین وہ مناقشے ہونا شروع ہوئے جس نے تاریخ کا رخ ہی بدل دیا۔ جہاں ایک طرف سید احمد شہید' شاہ اسماعیل شہید' شاہ محمد اسحاق اور مولانا نذیر حسین تھے تو دوسری طرف شاہ مخصوص اللہ' مولانا فضل حق' شاہ احمد سعید اور مولانا صدر الدین آزردہ۔

حالیہ دنوں میں طلاق ثلاثہ کی بحث شروع ہوئی ہے وہ اسی قسم کی معلوم ہوتی ہے۔ ایک ایسے وقت میں جبکہ ۶ / دسمبر ۱۹۹۲ء کے واقعات کے پیش نظر مسلمانوں کو اتحاد و اتفاق کی آئندہ کے سخت حالات میں سخت ضرورت ہے اس بات کی کوشش کی جا رہی ہے کہ احناف اور اہل حدیث باہم دست و گریباں ہو جائیں۔

(۵) یہودیوں کی ایک اور کوشش یہ ہوتی ہے کہ

کسی معقول اور صحیح بات کو ایک ایسے وقت میں حکمرانوں' علماء اور عامہ المسلمین کے مابین بحث کا موضوع بنا ڈالتے ہیں جو وقت مسلمانوں کے اعتبار سے خلاف مصلحت ہوتا ہے یعنی صحیح موقف کو غلط طریقے سے غلط وقت میں پیش کرنا۔ اس کی ایک مثال ۱۹۵۳ء میں پاکستان میں برپا قادیانی مسئلہ سے لی جا سکتی ہے۔

قادیانیوں کی خلاف اسلام حرکتوں اور ان کے غیر مسلم ہونے سے امت میں کسی کو اختلاف نہیں۔ اس اعتبار سے ان کے خلاف آواز بلند کرنا ایک درست بات تھی لیکن جب آپ دیکھیں گے کہ یہی درست بات کس غلط وقت میں اور مسلمانوں کی مصلحت کے برخلاف موضوع بحث بنائی گئی تو اس کا اندازہ ہو جائے گا کہ اس کے پیچھے یہودی ذہن کار فرما تھا۔ ۱۹۴۸ء میں پاکستان کے تمام علماء نے ایک تاریخ محضر مرتب کر کے حکومت پاکستان پر دباؤ ڈالا کہ ملک کو ایک اسلامی مملکت قرار دیکر اس کے قوانین کو اسلامی شکل میں مدون کیا جائے۔ چنانچہ پاکستان کی قومی اسمبلی کو قرار داد مقاصد منظور کرنا پڑی جس کے تحت حکومت پابند ہوگئی کہ وہ اسلام کے مطابق دستور سازی کرے۔ چنانچہ ۱۹۵۳ء میں دستوری بل وہاں کی قومی اسمبلی میں پیش ہونا تھا جس کے منظور ہونے کے بعد پاکستان میں ایک اسلامی دستور نافذ العمل ہو جاتا۔ لیکن عین اس اجلاس سے چند ماہ قبل ملک میں قادیانی مسئلہ بحث کا موضوع بنا دیا گیا جو رفتہ رفتہ ایک بڑی ہنگامہ آرائی میں تبدیل ہو گیا۔ ہرچند کہ بعض ذہین شخصیتیں مثلاً مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی وغیرہ اس دام ہمرنگ زمین کو سمجھ چکے تھے اور ابتداء انہوں نے لوگوں کو روکنے کی کوشش کی اور سمجھایا کہ مسلمان چند ماہ انتظار کر لیں۔ دستوری بل پیش ہوا چاہتا ہے اسے پاس ہو جانے دیں اور پاکستان میں ایک اسلامی دستور نافذ ہو جانے دیں۔ پھر خود بہ خود قادیانی اور اس طرح کے دیگر مسائل ختم ہو جائیں گے۔ ملک میں Infrastructure کی کمی اور بعض دیگر باتیں سد راہ ہو گئیں اور ان کی بات صدا بصحرا ثابت ہوئی اور حالات قابو سے بارہ ہو گئے۔ سازش کرنے والوں کا بنیادی مقصد ملک کو بحران میں مبتلا کر کے اسلامی دستور سازی سے روکنا تھا۔ چنانچہ جیسے ہی حالات نے عوامی تحریک کا رخ اختیار کیا انہوں نے لاہور میں مارشل لا لگا دیا' قومی اسمبلی تحلیل کر دی اور اسلامی دستور سازی کم از کم ۲۰ سالوں تک سرد خانوں میں چلی گئی۔

یہودیوں کی ان سازشوں کا ہندوستان میں سب سے پہلے احساس حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کو ہوا۔ یہ بڑی حیرت کی بات ہے کہ ہم نے شاہ صاحب اور ان کے جلیل القدر بیٹے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کو سمجھنے کا حق ادا نہیں کیا۔ ایسا لگتا ہے کہ ۱۱۴۳ ہجری سے قبل شاہ صاحب بھی ہندوستان میں برپا ہونے والے ان مسئلوں کو شیعہ سنی تناظر میں اور سلطنت مغلیہ کی کمزوریوں کے اعتبار سے دیکھتے رہے تھے۔ لیکن ۱۱۴۳ ہجری میں انہیں اس کا بخوبی احساس ہو گیا کہ یہ کوئی اور گہری اور عالمی سازش ہے اور اس کا سمجھنا اور مقابلہ کرنا ملکی سطح پر رہ کر ناممکن ہے چنانچہ انہوں نے اس کا فیصلہ کیا کہ وہ حجاز تشریف لے جائیں اور حالات و واقعات کا عالمی تناظر میں جائزہ لیں۔ ممکن ہے شاہ صاحب ۱۱۴۳ ہجری سے کم از کم بارہ سال قبل سے ہی اس مسئلہ پر غور کر رہے ہوں لیکن وہ ایک نتیجے پر یقیناً ۱۱۴۳ ہجری میں پہنچے۔ چنانچہ ایک مکتوب میں وہ لکھتے ہیں :

"احوال ہند برما مخفی نیست کہ خود مولد ومنشاء فقیراست۔ بلاد عرب نیز دیدیم ۔ واحوال مردم ولایت از ثقات آنجا شنیدم۔"

اس سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ شاہ صاحب ان حالات و واقعات کو عالمی تناظر میں دیکھ رہے تھے۔ اس کا مزید ثبوت حجتہ اللہ البالغہ کی تصنیف سے ملتا ہے جس کا پس منظر اس کی تمہید میں شاہ صاحب نے لکھا ہے۔ بہ نظر غائر دیکھا جائے تو تاریخ انسانی میں واقع ہونے والی اس عالمگیر یہودی سازش اور اس سے مقابلہ آرائی کے لئے امت مسلمہ کو تیار کرنے کی پہلی تصنیف حجتہ اللہ البالغہ قرار دی جا سکتی ہے اور اس سازش کی طرف پہلا اشارہ اس کے مقدمہ میں ملتا ہے۔ اسی تمہید کے بین السطور میں اس بات کا واضح ثبوت ملتا ہے کہ شاہ صاحب کو ایسے افراد میسر تھے جنہوں نے ۱۱۴۳ھ سے قبل مغرب میں واقع ہونے والی نشاۃ الثانیہ کے بعد کی علمی و فکری تبدیلی کا براہ راست اور بھرپور مطالعہ فراہم کیا تھا۔ کم از کم میرے علم میں اس وقت تک عربی' ترکی اور فارسی زبانوں میں ایسی کوئی معلومات فراہم نہ تھی۔ یہ ایک المیہ ہے کہ ہم نے شاہ صاحب کی کوششوں کو اپنی تنگ نظری اور نارسائی پر قیاس کیا۔

گزشتہ دو سو سالوں میں ہندوستان کے عام حالات کا جائزہ لینا بھی ضروری ہے۔ ہندوستان میں تبدیلی لانے والے عناصر کی تین قسمیں ہیں :

(۱) وہ گروہ جو ریڈیکل کہلاتے ہیں۔

(۲) وہ گروہ جسے براہ راست اقدام کرنے والا گروہ کہہ سکتے ہیں۔

(۳) وہ گروہ جسے بالواسطہ اقدام کرنے والا گروہ کہا جاتا ہے۔

ہندوستان کی تمام کمیونسٹ اور سوشلسٹ پارٹیاں مثلاً سی پی آئی CPI سی پی آئی ایم CPIM سی پی آئی ایم ایل CPI-ML آئی پی ایف IPF اور وہ تمام پارٹیاں جو سوشلزم کو اپنا ہدف قرار دیتی ہیں خواہ وہ کسی نام سے ہوں ریڈیکل گروہ سے تعلق رکھتی ہیں۔

ہندوستان کی تمام وہ پارٹیاں جو براہ راست احیاء پرستانہ تحریک چلا رہی ہیں اس زمرے میں آتی ہیں۔ آج انہیں آسانی کی خاطر سنگھ پریوار کہا جاتا ہے۔ ان میں آر ایس ایس' بی جے پی' وشو ہندو پریشد' بجرنگ دل' شیو سینا' ہندو مہاسبھا وغیرہ خاص ہیں۔

ہندوستان کی تمام وہ پارٹیاں جو کانگریس یا اس سے الگ ہو کر بنی ہیں بالواسطہ اقدام والی پارٹیاں کہلاتی ہیں۔

یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ یہودیوں کا ان تینوں گروہوں سے براہ راست تعلق ہے۔ کمیونسٹ اور سوشلسٹ پارٹیاں تو عالمی سطح پر براہ راست یہودیوں کے ذریعہ ہی چلائی جاتی رہی ہیں۔ اور ہندوستان میں بھی ان کی ۹۵% اعلیٰ ترین قیادت برہمنوں پر ہی مشتمل ہے۔

جہاں تک سنگھ پریوار کا تعلق ہے تو وہ یہودیوں کی خانہ زاد تحریک ہے۔ اور ان کی تشکیل جرمنی اور مشرقی یورپ کی یہودی تنظیموں کی طرز پر ہوئی۔ ان کے بڑے لیڈر ابتداء ہی سے اسرائیل کا دورہ کرتے رہے ہیں اور اس سال تو انہوں نے عالمی یہودی کانگریس سے علانیہ اپنے ربط کا اظہار کیا ہے۔

جہاں تک کانگریس اور اسی قبیل کی پارٹیوں کا تعلق ہے تو یہ بات واضح ہو کہ یہودی ہمیشہ سے کانگریس کے پشتیبان رہے ہیں۔ چنانچہ ہندوستان کے یہودی وائسرائے لارڈ ریڈنگ اور پارلیا منٹری انڈر سکریٹری آف اسٹیٹ فار انڈیا مسٹر مانٹیگو کی مدد علانیہ انہیں حاصل رہی۔ ایڈون سیمویل مانٹیگو Edvin Samuel Montague ۱۹۲۴ء ـ ۱۸۷۹ء نے مانٹیگو چمسفورڈ اصلاحات Montague ۱۹۱۹

Chelmsford Reforms۔ میں اہم رول ادا کیا اور ہندوستان کی سلطنت ہندوؤں کو براہ کانگریس منتقل کرنے کی راہ استوار کی۔ اسی طرح لارڈ ریڈنگ کے غیر معمولی کارنامے دو ہیں۔

(۱) ہندوستان میں منظم طریقے سے ہندو مسلم فساد برپا کرانا۔ اور

(۲) سلطنت آصفیہ اور حکومت برطانیہ کے مابین ہونے والے معاہدے کی ایک انوکھی تعبیر کرنا۔ یہ بات تاریخ کا گہرائی سے مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ ہندوستان کی جد و جہد آزادی کی اعلیٰ ترین قیادت کے اہم ترین اور سب پر حاوی بین الاقوامی مشیر دو یہودی ایچ سی ایل پولک H.C.L Polak ۱۸۸۲ اور ہر من کالن باخ Hermann ۱۸۷۱ - ۱۹۴۵ Kallenbach تھے۔ اس سلسلے میں ایچ سی پولک کا مضمون اس کی ہندوستانی قیادت سے تعلقات کی نوعیت اور اس کے داعیہ پر بہترین طریقے سے روشنی ڈالتا ہے جودی جیوش کرانیکل لندن The Jewish1913 Chronicle, London میں شائع ہوا ہے۔

بالواسطہ کام کرنے والی سب سے بڑی اور سب پھیلی ہوئی تنظیم کانگریس پارٹی ہے اس کا اصل مقصد ہندوستان کے تناظر میں سیکولرائزیشن اور انڈیانائزیشن Indianisation ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ اس ملک میں دیگر قوموں کو سیکولرائز کر کے انڈیا نائز کرنا۔ یہ انڈیا نائزیشن کی وہ شکل ہے جسے بالواسطہ انڈیا نائزیشن Indirect Indianisation کہتے ہیں۔ اسی کا دوسرا نام گنگا جمنی یا ملی جلی ثقافت Composite culture کا قیام ہے چنانچہ اس نصب العین کے حصول کے لئے دستور میں ایک مخصوص باب شامل کیا گیا ہے جو دراصل ہندوستان میں قائم ہر حکومت کا نصب العین ہوگا۔ دستور کا یہ باب رہنما اصول Directive Principles کہلاتا ہے۔ دستور کی دفعہ ۴۴ جو ہندوستان میں یکساں سول کوڈ کے قیام کا عزم رکھتا ہے وہ اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

براہ راست اقدام کرنے کے طریقے سے مراد Direct Indianisation ہے۔ سنگھ پریوار یعنی آر ایس ایس، بی جے پی، وشوہندو پریشد وغیرہم کا یہی طریقہ کار ہے۔ وہ اپنے اس موقف کو بلاکم وکاست اور علانیہ پیش کرتے ہیں۔ اور دیگر قوموں کو صاف صاف ہندو ہو جانے کی ترغیب دیتے ہیں۔

ریڈیکل تنظیمیں عام طور پر مذہبی تہذیبی، لسانی، علاقائی امور سے تعرض نہیں کرتیں لہٰذا ان کے بارے میں عام طور پر یہ تاثر پایا جاتا ہے کہ وہ نہ تو فرقہ وارانہ پارٹیاں ہیں اور نہ فاشسٹ۔ لیکن کسی چیز کے پیش کرنے اور اس کے سمجھنے کا فرق ہے۔ عام طور پر ریڈیکل پارٹیوں مثلاً کمیونسٹ پارٹی، سی پی آئی ایم۔ آئی پی ایف وغیرہم کی کوشش غریبوں، مزدوروں، غریب کاشتکاروں، بے زمین لوگوں اور کاشتکار مزدوروں کے لئے جد و جہد کرنے کی ہوتی ہے لیکن ان کی اصل حقیقت سمجھنے کے لئے اس بات کا جائزہ لینا ضروری ہے کہ ان کے ہدف اور اصول مقصد کی اصل حقیقت کیا ہے۔

فروری اور اکتوبر ۱۷۶۵ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی مغل بادشاہ شاہ عالم سے دو چیزیں حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی یہ دونوں چیزیں بنگال کی دیوانی کہلاتی ہیں۔ اس اختیار کے حصول کے بعد انہوں نے مسلمانوں کی معاشیات پر ایک کاری ضرب لگائی۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی قوت کے سرچشموں میں سے ایک ان کا نظام اراضی بھی تھا۔ چنانچہ انگریزوں نے مسلمانوں کو زمین سے بے دخل کرنے کے لئے ۱۷۷۶ء میں دوامی بندوبست Permanent Settlement کا قانون پاس کیا۔ گویا اس طرح بیک وقت دو باتیں واقع ہوئیں۔ اولاً مسلمان اپنی زمینوں سے بے دخل ہو گئے اور ثانیاً وہ زمینیں ہندوؤں کو منتقل ہو گئیں۔ اسی طرح کے قوانین شمالی ہندوستان میں رعیت واری طریقہ Rytwari system اور مغربی ہندوستان میں محال واری طریقہ Mahalwari System کے نام سے نافذ کئے گئے۔ اس طرح دیکھتے دیکھتے پچاس سالوں کے اندر یعنی ۱۸۵۰ سے قبل مسلمان سارے ہندوستان کی زمینوں سے بے دخل کر دیئے گئے۔ جب انگریزوں کا ۱۸۵۶ کے بعد کلی اقتدار قائم ہو گیا تب تک مسلمان حکومت، تجارت، زراعت اور صنعت تمام سے عملاً بے دخل کئے جا چکے تھے۔ صرف چھوٹی چھوٹی زمینداریاں اور دیگر معاشی کام ان کے ہاتھوں میں رہ گئے۔

۱۹۴۷ کے بعد یہ مشن Mission جو ہنوز نامکمل تھا۔ دو سطحوں سے پورا کیا جانے لگا قانونی اور سرکاری سطح پر زمینی اصلاحات کے قوانین Reform Acts Land پاس کئے گئے۔ ہندو یا تو بے دخل ہونے سے رہے یا منتقل ہو کر تجارت، صنعت، حکومت اور سیاست میں چلے گئے۔ مکمل بربادی مسلمانوں کے حصے میں آئی۔

دوسری طرف یہی کام ریڈیکل عناصر نے کمونسٹ پارٹیوں کے ذریعہ مزدوروں کاشتکاروں اور بے زمین کسانوں کے نام پر کئے۔

علاوہ ازیں کمیونسٹ پارٹیوں نے ہندو مذہب کا ایک بڑا اور اہم قدیمی مشن پایۂ تکمیل تک پہنچایا جسے از سرنو درجہ بندی Restratification کہتے ہیں۔ جیسے جیسے ان تینوں گروہوں کے اصل مقاصد پورے ہوتے جا رہے ہیں یہ اپنی کارکردگی کے اعتبار سے اندرونی طور پر ایک دوسرے کے قریب آتے جا رہے ہیں۔ اگر ان کے مقاصد پورے ہو گئے تو آنے والے دنوں میں یہ ایک واحد پارٹی بن جائیں گے یا دو پارٹیوں کی شکل میں متبادل طور پر نظم حکومت چلائیں گے جیسا کہ یہودیوں نے امریکہ میں قائم کر رکھا ہے۔

سردست ہم ان واقعات سے صرف نظر کرتے ہیں جو عالم عیسائیت میں یہودیوں کی سازشوں سے رونما ہوئے اور نہایت اختصار کے ساتھ صرف ان واقعات کا ذکر کرتے ہیں جو عالم اسلام میں واقع ہوئے۔ اٹھارھویں صدی سے قبل یہودیوں کی اصل معرکہ آرائی عیسائیوں سے ہو رہی تھی۔ اٹھارھویں صدی کے اواخر یا انیسویں صدی کے اوائل میں وہ پوری طرح مسلمانوں کی طرف متوجہ ہوئے۔

اس کا تو موقع نہیں کہ سیکولرائزیشن (Secularisation)، ڈیموکریٹائزیشن (Democratisation) اور کمرشیالائزیشن (Commercialisation) تینوں کے تجربات بیان کئے جائیں۔ لہٰذا صرف سیکولرائزیشن کے پیٹرن (Pattern) کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ (جاری ہے)

مطالعہ قرآن حکیم کے منتخب نصاب

کے دروس اب **بزبان انگریزی** بھی دستیاب ہیں

جولائی 94ء میں نیو جرسی (امریکہ) میں منعقدہ قرآنی کیمپ میں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے دروس کا یہ سیٹ 32 ویڈیو کیسٹ پر مشتمل ہے

---- برائے رابطہ ----

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

36۔ کے، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون : 2-5869501

تراشے

اخذ و ترجمہ : سردار اعوان

شیخ بن باز نے انہیں ابن تیمیہؒ ثانی قرار دیا

وہ پوری اُمّت کے لئے نظامِ خلافت چاہتے ہیں

علامہ اقبال سے بہت متاثر ہیں اور ان کے اشعار کا حوالہ دیتے ہیں

"امپیکٹ انٹرنیشنل" کے شمارہ فروری ۱۹۹۵ء میں شیخ سلمان العودۃ کا یہ پیغام کیسٹ سے اتارا گیا ہے

اصلاحات' جن کی ہم بات کرتے ہیں صرف ہمارے ملک تک ہی محدود نہیں ہیں ہم چاہتے ہیں کہ پوری امت مسلمہ اپنی وہ ذمہ داریاں ادا کرے جن کے لئے وہ برپا کی گئی ہے اگر ہم آج اپنے ان مسلمان بھائیوں کی مدد نہیں کرتے جو ظلم و جبر اور استبداد کا شکار ہیں' خاص کر بوسنیاء' الجزائر اور مصر کے مسلمانوں کی' تو یہ اسلام سے ہماری پرلے درجے کی غداری اور بے وفائی ہو گی۔ ہمارا مسئلہ کسی ایک ملک کا مسئلہ نہیں ہے۔ مسلمان خواہ کشمیر کا ہو یا افغانستان اور امریکہ میں مقیم ہو' وہ اس امت واحدہ کا حصہ ہے۔ ہم اس سے بے خبر نہیں ہیں کہ ہمارے سامنے کوہ ہمالہ جتنی بڑی رکاوٹیں کھڑی ہیں جبکہ ہماری بے بسی اور بے کسی کا ایک اور ہی عالم ہے۔ لیکن اس کے باوجود یہ ہمارے ذمہ ہے کہ اسلام کی خاطر جو کچھ بھی ہمارے بس ہو' ہم کر گزریں۔ نتائج کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ کو ہے ہم پر جو فرض عائد کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ ہم باطل کے خلاف اپنی پیٹھ نہ دکھائیں۔ ڈٹے رہیں اور کھڑے رہیں۔ یہ ہے ایک مسلمان اور مسلمان امت کا مقصد وجود۔

چالیس سالہ شیخ سلمان ابن فہد العودہ گزشتہ ستمبر سے بغیر کسی مقدمہ کے جیل ہیں۔ انہیں دیگر سینکڑوں ممتاز سعودی زعماء اساتذہ' مختلف ماہرین' طلباء اور تاجر حضرات کے ہمراہ اس لئے پکڑ کر جیل میں بند کر دیا گیا کہ وہ حکومتی اور سرکاری شعبوں میں اسلام کے مطابق اصلاحات لانے کا مطالبہ کر رہے تھے۔ حکومت نے ان کے خلاف اقتدار پر قبضہ جانے کے لئے انتشار پیدا کرنے کا الزام کیا جو اس قدر بھونڈا الزام ہے کہ آج تک اس کے مطابق مقدمہ چلانے کی نوبت نہیں آ سکی۔ اس کے برعکس انہیں اس پر مائل کرنے کی کوشش کی جاتی رہی ہے کہ وہ کسی طرح اپنی زبان بند رکھنے پر آمادہ ہو جائیں اور اس کے بدلے میں انہیں رہا کر دیا جائے۔ مگر تاحال اس میں شاہی حکمرانوں کو کوئی کامیابی نصیب نہیں ہوئی۔

سعودی حکومت کے اعلیٰ ترین عہدے دار' ان کے مفتی اعظم' شیخ عبدالعزیز ابن باز' شیخ سلمان العودہ کو ابن تیمیہ ثانی قرار دیتے ہیں۔ ابن تیمیہؒ (۶۶۱ - ۷۲۸ھ) کا شمار تاریخ اسلام کے سب سے جری اور بلند پایہ سکالر کے طور پر ہوتا ہے۔ ان کا دور اسلامی تاریخ کا مشکل ترین دور تھا۔ تاتاری بغداد کو روندتے ہوئے دمشق کی طرف بڑھ رہے تھے۔ اعلیٰ علمی اور سیاسی سطح پر اسلام کی جنگ لڑنے کے لئے صرف ابن تیمیہؒ ہی میدان میں تھے۔ سلمان العودہ اپنے ملک میں تو خاصے مصروف ہیں لیکن اس سے باہر ان کے نظریات سے شاید کم ہی لوگ واقف ہیں۔ سلمان العودہ کو ان کی تصنیف و حوار ھادی مع الغزالی' پر بہت شہرت ملی۔ یہ کتاب امام الغزالیؒ کی کتاب' السنہ بیان الحدیث اور اہل حدیث' جسے اکثر مسلمان متنازعہ فیہ تصور کرتے ہیں کے جواب میں لکھی گئی ہے۔ شیخ سلمان ریاض کی امام محمد ابن سعود اسلامی یونیورسٹی کے قسیم کیمپس میں بطور لیکچرار تعینات تھے۔ خلیج کی جنگ کے دوران امریکہ سپاہیوں کی سعودی عرب کی سرزمین پر آمد انہیں سیاسی منظر پر لانے کا باعث بنی۔

سرکاری علماء کے اس موقف کی کہ حالات کے تحت شاہ کو غیر ملکی سپاہیوں کو سرزمین عرب پر بلانے کا اختیار ہے' شیخ سلمان اور ایک دوسرے نوجوان سکالر شیخ صفر ابن عبدالرحمٰن الھوالی نے سختی سے تردید کی اور اس فیصلے کو قرآن اور سنت کی واضح خلاف ورزی قرار دیا۔ انہوں نے کہا کہ حکومت کی اپنی کمزوری اور امریکہ پر ضرورت سے زیادہ انحصار اسلام سے انحراف کے لئے اسے جواز فراہم نہیں کر سکتا۔ ان کا کہنا تھا کہ حکومت اپنی ناقص حکمت عملی کے سبب اپنی آزادی سے خود ہی محروم ہو چکی ہے۔ ظاہر ہے سعودی عرب کا سیاسی ماحول ایسی باتوں کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ لہٰذا ان کی تقاریر کے کیسٹوں پر پابندی عائد کر دی گئی مگر اس کے باوجود یہ کیسٹ اندرون اور بیرون ملک بڑی تیزی سے پھیل رہے ہیں کیونکہ سعودی نوجوان ان تقریروں کو اپنے دل کی آواز سمجھتے ہیں۔

سلمان العودہ کی جوانی کا وہ دور ہے جب عالم عرب نام نہاد سوشلسٹ یا سیکولر حکمرانوں کی گرفت میں آ چکا تھا۔ پڑوس میں مصر کے مسلمانوں پر ظلم و تشدد کے پہاڑ ڈھائے جا رہے تھے اور بہت بڑی تعداد میں لوگوں کو پھانسی پر لٹکایا جا رہا تھا۔ تب شاہ فیصل کا سعودی عرب ان مصری' شامی اور عراقی مسلمانوں کی آخری پناہ گاہ تصور ہوتا تھا جو وہاں سے جان بچا کر بھاگنے پر مجبور ہوتے تھے۔ سلفی اہل علم حضرات کے علاوہ سلمان العودہ نے مصر کی الاخوان اور پاکستان کی جماعت اسلامی کی تحریک کا بھی مطالعہ کیا ہے اور حسن البنیٰ' سید ابوالاعلیٰ مودودی اور سید قطب کے افکار و نظریات سے استفادہ کیا ہے۔ انہیں علامہ اقبال سے بڑی زبردست رغبت ہے اور ان کے اشعار کا اکثر حوالہ دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے بہت مداح ہیں اور بڑی عزت و احترام سے ان کا نام لیتے ہیں لیکن اخوان اور جماعت کے اسلامی معاشرہ اور ریاست کے بارے میں تصورات سے گہری

مناسبت کے باوجود سعودی عرب کی اسلامی تحریک کا اپنا ایک جداگانہ مزاج اور عالم اسلام کو درپیش مسائل کے حل کے ضمن میں مختلف لائحہ عمل ہے۔

چنانچہ شیخ سلمان انسانی حقوق' انجمن سازی کا حق اور تحریر و تقریر کی آزادی وغیرہ کی بات ہی نہیں کرتے۔ کیونکہ یہ چیزیں اسلام میں از خود پہلے سے موجود ہیں۔ ان کے نزدیک جہاں سعودی عرب کے معاملے میں "اولوالامر" کے لئے یہ لازم ہے کہ وہ قرآن اور سنت کی رو سے لوگوں کے مشورے سے ریاستی معاملات طے کریں۔ وہیں مسلمان عوام کی بھی یہ اجتماعی ذمہ داری ہے کہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا دینی فریضہ ادا کرتے ہیں اور اپنے حکمرانوں پر کڑی نظر رکھیں تاکہ وہ اپنے منصب کی ان شرائط سے روگردانی یا انحراف نہ کر سکیں جو اسلام کی رو سے ان پر عائد ہوتی ہیں۔ سعود خاندان شیخ محمد بن عبدالوہاب کے ہاتھ پر بیعت کی رو سے خود بھی امور سلطنت قرآن و سنت کے مطابق چلانے کا پابند ہے۔ اس لئے جب بھی کبھی کوئی سیاسی یا مذہبی مسئلہ پیدا ہوا تو جواب دہی ہمیشہ حکمرانوں کو کرنا پڑی نہ کہ وہ لوگ مورد الزام ٹھہرائے گئے جنہوں نے اصلاح کے لئے توجہ مبذول کرائی تھی۔

شیخ سلمان اپنی تحریک کو ان سابقہ روایات سے منسلک کرتے ہیں اس لئے وہ کوئی نئی دعوت پیش نہیں کرتے۔ اور یہ وہ بات ہے جس کا انکار کرنے سے موجودہ حکمران عاجز ہیں۔ دوسرے ممالک میں جاری اسلامی تحریکوں کے برعکس سلمان العودہ اور ان کے ساتھی' حکمرانوں سے الیکشن وغیرہ کے ذریعے چھٹکارا حاصل کرنے کی بات ہی نہیں کرتے۔ ان کا مطالبہ صرف اتنا ہے کہ اپنے رہن سہن اور حکومتی پالیسیوں میں تبدیلی لا کر انہیں اسلام کے مطابق کرو۔ وہ کہتے ہیں کہ اب اگر حکمران ہی ایسے نااہل ہیں کہ اپنی ذمہ داریاں ادا نہیں کر سکتے ---- تو اس کے لئے کسی گروہ یا جماعت کو کیوں کر قصوروار ٹھہرایا جا سکتا ہے کہ وہ ان کا تختہ چاہتے ہیں۔ اپنی ناکامی کے وہ تو خود ذمہ دار ہیں۔ شیخ سلمان کا مطالبہ بہرحال یہی ہے کہ اسلام میں مسلمانوں کے لئے خلافت ہے' حاکمیت نہیں اور ایک اسلامی ریاست اس امر کی پابند ہے کہ ملک میں اسلام کا نظام عدل اجتماعی قائم کرے۔ اسی طرح ایک اسلامی ریاست کا یہ بھی فرض ہے کہ پوری نوع انسانی کو جبر و استبداد سے نجات دلانے کی جد و جہد کرے' تاکہ اللہ

(باقی صفحہ 9 پر)

ہمارا شمار کس گروہ میں ہے؟

ایک رفیقِ تنظیم کی طرف سے

ساتھیوں کو یاد دہانی

ایک ساتھی کے قلم سے

کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم اِدھر کے رہیں نہ اُدھر کے!

قرآن کریم میں اللہ سے دعا کرنے والوں کو دو گروہوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلا گروہ تو وہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے دنیا کی بھلائی طلب کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے دنیا کی بھلائی سے نوازتا ہے لیکن آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں۔ اور دوسرا گروہ کا تذکرہ کچھ اس طرح آیا ہے۔ (ترجمہ) "پھر کوئی آدمی تو کہتا ہے اے رب ہمارے دے ہم کو دنیا میں اور اس کے لئے آخرت میں کچھ حصہ نہیں اور کوئی ان میں کہتا ہے۔ اے رب ہمارے دے ہم کو دنیا میں خوبی اور آخرت میں خوبی اور بچا ہم کو دوزخ کے عذاب سے۔" (سورۂ بقرہ آیت ۲۰۰۔۲۰۱)

ہم جیسے کچھ بھی ہیں بہرحال ہیں تو مسلمان لہٰذا ہم میں سے ہر شخص کی دعا یہی ہوتی ہے کہ : ربنا اتنا فی الدنیا حسنہ وفی الاخرہ حسنہ وقنا عذاب النار۔ لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ کیا ہم اپنے اعمال کے ذریعے اپنے آپ کو اس دعا کا اہل بنانے کی کوشش بھی کرتے ہیں؟۔ میرا خیال ہے کہ ایسا شاذ و نادر ہے ورنہ ہمارا عمومی عمل اس کے برعکس ہے۔ آیئے ہم اپنے گرد و پیش چند گروہوں کا جائزہ لیتے ہیں کہ ہم عملی طور پر کیا کر رہے ہیں تاہم میں ان لوگوں کو تو اس بحث سے خارج سمجھتا ہوں جن کی عمل زندگیاں اس مصرع کی تفسیر بن کر رہ گئی ہیں کہ "بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست"۔

اس گروہ کی زندگی کا نصب العین حصول زر ہے جس کے نتیجے میں اسے دنیا کی تمام تر آسائشیں مہیا ہوں۔ وہ اسی کو دنیا کا "حسنہ" سمجھتا ہے۔ حصول زر ممکن ہی نہیں جب تک جائز و ناجائز اور حلال و حرام کے قیود سے آزاد نہ ہوا جائے اور زر کا بندہ یہ سب کچھ کر گزرنے کے لئے ہر لحہ تیار رہتا ہے۔ نتیجہ میں معاشرے میں قارونوں کی تعداد میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے۔ دوسری جانب وہ لوگ ہیں جن کے حقوق کی پامالی کے نتیجے میں ان قارونوں کی افزائش ہو رہی ہے وہ طبقاتی کشمکش میں مبتلا ہو جاتے ہیں جس کے نتیجے میں معاشرے میں جدل و جدال اور ظلم و فساد بلکہ مرنے مارنے تک کی نوبت آ گئی ہے۔ لہٰذا یہ طے شدہ امر ہے کہ اس پہلے گروہ کا دنیوی "حسنہ" دوسروں کے لئے مصائب کا ذریعہ رہا ہے۔ لہٰذا ایسے گروہ کے بارے میں یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ انہیں آخرت میں بھی "حسنہ" ہی نصیب ہو گا۔

اب آیئے ایک اور گروہ کی جانب۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے آپ کو اللہ کے مطیع و فرمان بردار بندوں میں شمار کروانا چاہتے ہیں لہٰذا نماز روزے کی پابندی بھی ہے' حج اور عمروں کی بہتات بھی ہے اور زکوٰۃ و صدقات کی ادائیگی میں بھی کسی سے پیچھے نہیں لیکن تجارت میں جھوٹ بھی ہے' بلیک مارکیٹنگ بھی ہے' ذخیرہ اندوزی بھی ہے' انڈر انوائسنگ بھی ہے اور رشوت اور سود بھی ہے۔ گویا "جناب شیخ کا نقش قدم یوں بھی ہے یوں بھی"۔

لیکن کیا ہوا اگر یہ سب کچھ ہے! یہ تو مجبوری ہے' معاشرے کا جبر ہے ورنہ انہیں دینداروں میں اونچا مقام بھی حاصل ہے۔ چلے بھی لگ رہے ہیں۔ مساجد کی تعمیر میں بھی آگے آگے ہیں وہی شخص اسمگلر بھی ہے' ہیروئن کا کاروبار بھی کر رہا ہے لیکن معاشرے میں اس کی بڑی عزت ہے کہ وہ دیندار بھی ہے اور صاحب ثروت بھی اور معاشرے میں مقام حاصل کرنے کے لئے یہی ثروت سکہ رائج الوقت ہے۔ بعض اوقات یہ شک ہونے لگتا ہے کہ شاید دنیا و آخرت کی بھلائی اسی کو کہتے ہوں۔

اب آیئے ایک اور گروہ کا تذکرہ ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اس گروہ کو دین کا صحیح فہم عطا کیا ہے اور دین کے امن فہم کو اس نے بالجبر نہیں بلکہ شعوری طور پر حاصل کیا ہے۔ وہ اپنے تئیں اللہ کے دین کے جھنڈے کو بلند کرنے اور اسے بلند رکھنے کا عزم رکھتا ہے۔ ظاہر ہے اسے کسی نہ کسی درجہ میں دنیا کی آسائشوں کو بھی ترک کرنا پڑا ہے۔ کچھ اپنے دنیوی مشاغل اور کچھ دنیوی وجاہت و اقتدار کو بھی ترک کرنا پڑا ہے۔ لیکن اس کا حال قرآن کریم کے ان الفاظ کا عکس ہو گیا ہے کہ مزیزبین بین ذالعہ لاالاھو لاء ولاالاھولاء۔ کبھی وہ شکوہ کرتا نظر آتا ہے کہ کیا کریں کہ اقامت دین فرض ہے لیکن آخر معاشی ضروریات بھی تو ہیں۔ اس کے لئے بھی تو تگ و دو کرنی ہے۔ لہٰذا وہ اگر اجتماعات میں آتا بھی ہے تو "کسائی" کی کیفیت میں۔ اگر اعانت کی ادائیگی بھی ہو رہی ہے تو دلی آمادگی کے ساتھ نہیں بلکہ دل پر جبر کر کے۔ توسیع دعوت کے لئے اگر ہینڈ بلز کی تقسیم کرنی پڑے تو بڑی شرم و لحاجت کے ساتھ۔ خود اقرار کرتا ہے کہ تبلیغ کا حق ادا کرنا ممکن نہیں جب تک قرآن کریم کو ذریعہ نہ بنایا جائے لیکن کیا کرے اس کے پاس اتنی فرصت کہاں کہ وہ قرآن کریم کے لئے وقت نکال سکے۔ سارا وقت تو دفتر میں کھپ جاتا ہے۔ زندگی کی بہترین توانائیاں تو ادھر لگ رہی ہیں۔ اور پھر "ولزوجک حق" والا معاملہ بھی تو ہے۔ معاشرے کے بھی تو کچھ تقاضے ہیں وہ بیچارا کرے تو کیا کرے۔ اپنے اوقات کو کہاں کہاں تقسیم کرے۔

مجھے اس گروہ پر بڑا ترس آتا ہے جس میں خود میں بھی شامل ہوں۔ پہلے گروہ کو اگر آخرت کا حصہ نہیں ملا تو کیا ہوا دنیا کے مزے تو لوٹ لئے۔ دوسرا گروہ اپنے تئیں خود کو دنیا و آخرت کی بھلائی کا امیدوار سمجھتا ہے لیکن یہ آخری گروہ تو وہ ہے جو نہ دنیا کی بھلائیوں سے پوری طرح لطف اندوز ہو سکتا ہے اور نہ آخرت کی بھلائی کے تقاضوں کو کما حقہ پورا کر سکتا ہے۔ نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم والا معاملہ نظر آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی ہمیں اس بے بسی سے نکالے تو نکالے ہم نے تو اپنی کشتی بھنور میں پھنسا ہی ڈالی ہے۔ البتہ اس گروہ میں میں کچھ مخلصین بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں کم از کم ان ہی کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمادے۔OO

قدم بقدم

راولپنڈی ڈویژن کی ایک بستی میں کام کا آغاز

وقائع نگار

ہم سفر ملتے گئے اور کارواں بنتا گیا

لوگوں کے ذہن دعوت کے لئے کھلے ہوئے ہیں

آج کے دور میں جہاں ایک طرف طاغوتی نظام نے انسانوں کی عظیم اکثریت کو معاشی شکنجے میں جکڑ کر کولہو کا بیل بنا رکھا ہے وہیں دوسری طرف قدم قدم پر شیطان نے بھی اس عارضی دنیا کے لذائذ اور جاہ وحشمت کو مستقل اور دائمی حیثیت سے پیش کر کے ترغیبات کا جال پھیلا رکھا ہے۔ تاہم اس بظاہر مایوس کن صورتحال میں بھی الحمدللہ کہ عوام الناس میں طلب حق کی پیاس موجود ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ ماحول کے ناسازگار ہونے کے باعث یہ جذبہ بڑی حد تک دب ضرور گیا ہے۔ اجر طلبی کے جذبے سے مبرا خلوص سے دعوت دیں دی جائے تو یہ مٹی آج بھی بڑی زرخیز ہے۔ اس جذبہ کو انگیخت کرنے کے لئے داعیانہ لگن اور کردار کی ضرورت ہے۔ ورنہ قبولیت دعوت میں کوئی رکاوٹ حائل نہیں۔

زمانہ بڑے شوق سے سن رہا تھا
ہمیں سو گئے داستاں کہتے کہتے

اس کیفیت کا مشاہدہ حال ہی میں ماڈل ٹاؤن ہمک میں ہوا جو راولپنڈی اسلام آباد کے مضافات میں تعلیم یافتہ اکثریت پر مشتمل چار پانچ ہزار نفوس کی اہم آبادی ہے۔

ستمبر ۹۴ء میں ایک رفیق تنظیم بغرض سکونت یہاں منتقل ہوئے تو تائید ایزدی سے حلقہ دعوت بننے کے آثار پیدا ہوئے۔ ۱۴ اکتوبر کو ملحقہ مسجد میں درس قرآن کا انعقاد ہوا۔ محترم خالد محمود عباسی نے جامع و بلیغ انداز میں درس دیا۔ اس درس کے بعد الحمدللہ باقاعدہ حلقہ احباب میسر آگیا۔ اکتوبر ہی میں امیر محترم نے جامع مسجد موتمر عالم اسلامی میں خطبہ جمعہ دیا تو یہاں سے چار احباب نے شرکت فرمائی۔ گویا قدرت قدم قدم پر ہمت بڑھانے کا سامان کرتی رہی۔ گویا "ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں"۔ اور "ڈھونڈنے والوں کو دنیا بھی نئی دیتے ہیں"

الحمدللہ کہ وسط نومبر ۹۴ء میں ایک اور رفیق تنظیم یہاں منتقل ہو گئے تو محترم ناظم حلقہ نے کھوٹہ اور سہالہ میں بغرض ملازمت عارضی طور پر مقیم تین منفرد رفقاء کے الحاق سے اسرہ ہمک قائم کر کے کار دعوت کو منظم اور مربوط انداز میں آگے بڑھانے کی راہ ہموار فرمائی۔ یوں نومبر کے آخری ہفتے میں اس نئے اسرہ کا پہلا تنظیمی اجتماع منعقد ہوا جس میں اسرے کا دعوتی تنظیمی شیڈول مرتب کرنے کے علاوہ طے کیا گیا کہ چونکہ اس علاقے میں قبل ازیں ہماری دعوت متعارف ہی نہیں ہوئی اس لئے انقلابی فکر کو وسیع حلقے میں متعارف کرانے کے لئے انقلابی و دعوتی نعروں پر مشتمل جستی پلیٹیں تیار کرا کے یہاں کے تمام بس سٹاپس اور دیگر اہم مقامات پر آویزاں کی جائیں۔ الحمدللہ تین مختلف عنوانات کے تحت سولہ پلیٹیں نصب کی جا چکی ہیں جن میں نظام خلافت کی ضرورت' انقلاب کے لئے انفرادی اصلاح کی ضرورت اور جمہوریت کی بجائے خلافت نیز انتخابات کی بجائے انقلاب کو اجاگر کیا گیا ہے۔ اسرہ کے قیام کے بعد نومبر کے آخری ہفتے ہی سے گھر پر ہفتہ وار دعوتی اجتماعات کا آغاز کر دیا گیا۔ اجنبی ماحول میں کام شروع کرنے کے

باوجود دروس قرآن میں حاضری حوصلہ افزاء ثابت ہوئی۔

وسط دسمبر میں ایک اور رفیق تنظیم کے یہاں رہائش اختیار کرنے سے مقامی طور پر رفقاء کی تعداد تین ہو گئی جس کے باعث کار دعوت میں مزید بہتری پیدا ہوئی۔ دسمبر کے آخری ہفتے سے ملحقہ جامع مسجد قباء میں ماہانہ درس قرآن کا آغاز ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا خصوصی احسان ہے کہ مسلکی کشاکش کے دور میں بھی جامع مسجد قباء کے محترم خطیب صاحب فروعی مسائل سے مکمل طور پر گریز فرماتے ہوئے خالصتاً قرآن و سنت کی تعلیمات کو عام کرنے میں مصروف ہیں۔ زوال امت کے اصل سبب کو مدنظر رکھتے ہوئے محترم خطیب صاحب فہم قرآن پر خصوصی زور دیتے ہیں۔ خطاب جمعہ کے علاوہ بھی کسی نماز کے بعد مختصر اور عام فہم زبان میں ترغیب و تشویق دلاتے رہتے ہیں۔ اس مسجد کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ دعوت و اصلاح کے لئے تمام دینی گروہوں کو انتظامیہ اجازت دے دیتی ہے بشرطیکہ فرقہ وارانہ اور سیاسی موضوعات سے اجتناب کیا جائے۔ الحمدللہ مسجد انتظامیہ اور محترم خطیب صاحب کے اس تعاون علی الخیر کے باعث عوام الناس کے لئے تبلیغ دین کے تمام انداز میسر آ جاتے ہیں۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء۔

امیر محترم نے ۱۸ جنوری کو ہالیڈے ان اسلام آباد ہوٹل میں "تہذیبی کشمکش اور اس کا حل" کے موضوع پر خطاب فرمایا تو بفضلہ تعالیٰ مقام اجتماع سے پچیس تیس کلومیٹر بیرون شہر ہونے کے باوجود ماڈل ٹاؤن ہمک کے حلقہ احباب میں سے بارہ حضرات نے شرکت فرمائی۔ مزید برآں اسرہ کے رفقاء کی دعوت پر دیگر مقامات سے بھی بیس احباب نے اس انتہائی اہم لیکچر سے استفادہ کیا۔ انہی شرکاء میں ایک محترم پروفیسر صاحب بھی شامل ہیں جو محترم ڈاکٹر صاحب کی تشخیص کو اپنے دل کی آواز محسوس کرتے ہوئے اسے نئی نسل تک پہنچانے کا کام شروع فرما چکے ہیں۔ چونکہ کالج کا زمانہ ہی شعور انسانی کی پختگی میں فیصلہ کن حیثیت کا حامل ہوتا ہے۔ اس لئے محترم پروفیسر صاحب اپنے طلباء کو محترم ڈاکٹر صاحب کے خطابات بذریعہ ویڈیو سنانے کا اہتمام کرتے ہیں۔ دراصل معاشرے کی کریم یعنی تعلیم یافتہ اقلیت کے سامنے خصوصیت سے پیغام رکھنے سے امیر محترم کا مقصد ہوتا ہی یہ ہے کہ یہ طبقہ اقلیت میں ہونے کے باوجود عام آدمی کی نسبت کئی گنا موثر ثابت ہوتا ہے نیز معاشرے کے ذہین طبقے کی سوچ میں انقلاب پیدا کئے بغیر انقلاب لانے کا خواب سراب ثابت ہوتا ہے۔

خلوص سے کی گئی محنت کا اخروی اجر تو موعود ہے ہی لیکن اللہ تعالیٰ دنیا میں ثبات اور استقامت کے لئے نقد اجر بھی عنایت فرماتے رہتے ہیں۔ الحمدللہ کہ اللہ تعالیٰ نے دو تین ماہ کے بعد ہی اپنے فضل خاص سے دعوت کا پہلا ثمر عطا فرمایا۔ برادر محترم افضال مہدی نے اس مختصر سے عرصے میں ابتدائی تحریکی تعارف سے لے کر تمام ضروری دعوتی لٹریچر کا مطالعہ مکمل کر لینے کے بعد احساس فرض کے جذبے سے سرشار ہو کر ۲۸ جنوری کو بیعت کر کے اس جد و جہد اقامت دین میں عملی طور پر شریک ہونے کا فیصلہ کیا۔ ان کا یہ فیصلہ جہاں ان کی اخروی فوز و فلاح کا باعث ہو گا وہیں رفقاء کو نیا عزم و ولولہ دینے کا باعث بھی بنا ہے یہی وجہ ہے کہ ان کی شمولیت کے بعد تمام رفقاء پہلے سے کہیں بڑھ کر کار دعوت میں مصروف ہو گئے ہیں۔ اگرچہ ادائیگی فرض کے لئے دعوت کا ثمر آور ہونا اہم نہیں ہوتا بلکہ اصل چیز دعوت کا صحیح طور پر ابلاغ ہے اگر وہ ہو گیا تو پھر دعوت کی نتیجہ خیزی ہر دو صورت میں داعی کے لئے کامیابی کا پروانہ ہی ہوتی ہے لیکن فطری کمزوری کے باعث ہماری نظر "واخری تحبونھا" پر زیادہ جمتی ہے۔

ماہ جنوری کے ماہانہ تنظیمی اجتماع میں رمضان المبارک کے حوالے سے توسیعی دعوت کے لئے چند پروگرام ترتیب دیئے گئے۔ اولین اور رمضان المبارک کی نسبت سے اہم ترین پروگرام دورۂ ترجمہ قرآن کے لئے مسجد قباء کے محترم خطیب صاحب سے درخواست کی گئی تو انہوں نے اس تجویز پر خوشی کا اظہار فرمایا اور انتظامیہ سے ضروری مشورہ کے بعد اجازت دے دی۔ رمضان المبارک کی رحمتوں سے بطریق احسن متفید ہونے کا جذبہ پیدا کرنے کے لئے محترم ڈاکٹر صاحب کے کتابچہ "عظمت صیام و قیام رمضان المبارک" کی دو سو کاپیاں منگوائی گئیں تاکہ

KHALID TRADERS

IMPORTERS – INDENTORS – STOCKISTS & SUPPLIERS OF WIDE VARIETY OF BEARINGS, FROM SUPER – SMALL TO SUPER – LARGE

AUTHORIZED AGENTS NTN BEARINGS

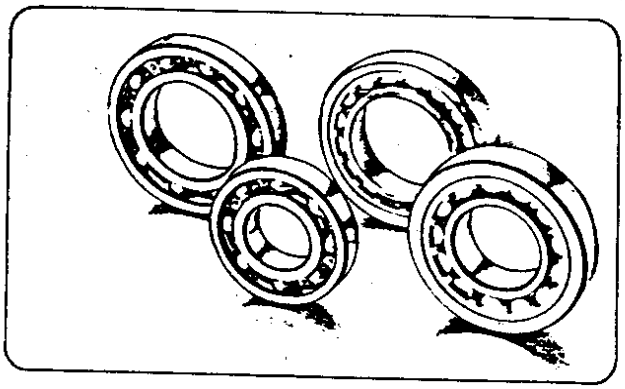

PLEASE CONTACT

TEL : 7732952-7735883-7730593
G.P.O. BOX NO. 1178, OPP KMC WORKSHOP
NISHTER ROAD, KARACHI-74200 (PAKISTAN)
TELEX : 24824 TARIQ PK CABLE : DIMAND BALL FAX : 7734776

FOR AUTOMOTIVE BEARINGS : Sind Bearing Agency 84 A-65, Manzoor Square Noman St. Plaza Quarters Karachi-74400 (Pakistan)
Tel : 7723358-7721172

LAHORE : (Opening Shortly) Amin Arcade 42, Brandreth Road, Lahore-54000 Ph : 54169

GUJRANWALA : 1-Haider Shopping Centre, Circular Road, Gujranwala Tel : 41790-210607

WE MOVE FAST TO KEEP YOU MOVING

دفتر اسرہ کے اردگرد تمام احباب کو تحفتہ پیش کی جائیں۔ نیز دورۂ ترجمہ کی اطلاع و دعوت پر مشتمل پمفلٹ دفتر حلقہ سے منگوائے گئے ماہ جنوری کا ماہانہ درس جو کہ مسجد میں ہونا تھا۔ اس کے لئے بھی اڑھائی سو دعوت نامے تیار کرائے گئے۔

تمام ضروری تیاری کے بعد ۲۷ اور ۲۸ جنوری کو رفقاء نے اڑھائی سو گھروں میں دورۂ ترجمہ قرآن اور خصوصی درس قرآن کے دعوت نامے اور دو سو کتابچے احباب کو تحفتہ پیش کئے۔ الحمدللہ کہ ۲۸ جنوری کو بعد نماز مغرب مسجد قباء میں رمضان المبارک کی فضیلت و اہمیت پر رفیق محترم شفاءاللہ خان نے پر مغز درس دیا جس میں پچاس سے زائد حضرات نے شرکت کی سعادت حاصل کی۔ رمضان المبارک کا چاند نظر آتے ہی نماز تراویح کے بعد برادرم شفاءاللہ خاں صاحب نے ترجمہ قرآن شروع کر دیا۔ شرکاء کی رائے پر چار دن بعد ہی وقت تبدیل کر دیا گیا۔ نماز عصر اور مغرب کے درمیانی وقفے کے دوران یہ پروگرام ستائیس رمضان تک بلاناغہ جاری رہا۔ شرکاء کی سہولت کے پیش نظر چونکہ دورانیہ مختصر ہوتا تھا اس لئے سورۂ فاتحہ تا سورۂ مائدہ ترجمہ و مختصر تشریح کی تکمیل کے بعد طے کیا گیا کہ آخری تین پاروں کا مطالعہ کر لیا جائے چونکہ محدود وقت میں پورے قرآن حکیم کا ترجمہ تو ممکن ہی نہ تھا اس لئے مرحلہ ثانی میں سورۂ مجادلہ سے شروع کر کے آخر قرآن پر یہ پروگرام تائید ایزدی سے اختتام پذیر ہوا۔ اوسطاً بائیس تیئیس احباب شریک مجلس ہوتے رہے گو کہ بعض مواقع پر حاضری چالیس سے بھی زائد رہی۔ شرکاء محفل نے محترم شفاءاللہ صاحب کے طریقہ تدریس کو بہت پسند کیا۔ یہی وجہ ہے کہ آخری دنوں میں حاضری معمول سے زیادہ ہوتی رہی۔ انہوں نے فی الحقیقت محترم ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب کا شاگرد ہونے کا حق ادا کیا۔

اللھم زد فزد

دورۂ ترجمہ قرآن حجم کے لحاظ سے گو کہ کم رہا لیکن استفادہ کے لحاظ سے الحمدللہ یہ پروگرام بہت ہی موثر ثابت ہوا۔ کئی قلوب میں محبت و فہم قرآن کی شمع روشن ہوئی۔ اللہ تعالیٰ محترم شفاءاللہ خاں صاحب کے لئے ان کی یہ محنت صدقہ جاریہ بنا دے۔ آمین!

توسیع دعوت کے لئے ہفتہ وار درس قرآن کو افطار پارٹیوں کے ساتھ متصل کر دیا گیا۔ اس سلسلے میں یہ طے کیا گیا تھا کہ چاروں افطار پارٹیاں الگ الگ مقامات پر منعقد کی جائیں گی نیز کوشش کی جائے گی کہ زیادہ سے زیادہ نئے احباب شریک دعوت ہوں تاکہ حلقہ درس وسیع ہو سکے۔ الحمدللہ چاروں پروگرام انتہائی کامیاب رہے۔ حاضری بالترتیب ۲۵، ۳۵، ۵۵ اور ۳۵ رہی۔ مجموعی طور پر ۸۰ سے زائد نئے احباب نے ان چاروں دروس و افطار میں شرکت کی اس طرح ہمیں دعوت کے لئے وسیع ترین حلقہ میسر آ گیا۔ انفرادی ملاقاتوں اور ترسیل کتب و کیسٹس کا سلسلہ شروع کیا جا چکا ہے۔ انشاء اللہ العزیز جلد اس دینی فریضے کی ادائیگی کے لئے مزید اصحاب عزم و ہمت شریک قافلہ ہوں گے۔

اس محدود عرصے کے تجربے سے یہ بات اظہر من الشمس ہو گئی ہے کہ اہل وطن کے قلوب دینی تعلیم کے لئے کھلے ہوئے ہیں۔ بشرطیکہ ان کے ذہنی تحفظات کا ازالہ کر دیا جائے۔ لوگ چاہتے ہیں کہ اپنی اصلاح کے لئے دروس قرآن کے حلقہ جات میں شریک ہوں نیز خدا بیزار نظام کے پیدا کردہ مسائل سے بھی وہ اکتائے ہوئے ہیں اور اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ دین حق پر مبنی عادلانہ نظام ہی ان کے مسائل کا حل ہے۔ لیکن جب تک ان کے شکوک و شبہات کا ازالہ نہ کیا جا سکے دینی جماعتوں سے ان کے بعد کو دور نہیں کیا جا سکتا۔ اس بعد کی بنیادی وجوہات دو ہی ہیں اولاً مذہبی فرقہ واریت اور ثانیاً مذہبی و دینی سیاسی جماعتوں کی انتخابی حکمت عملیاں۔ الحمدللہ چونکہ تنظیم اسلامی ان دونوں حیثیتوں سے مبرا جماعت ہے اس لئے عوام کی طرف سے اس کی قرآنی اور انقلابی دعوت کی قبولیت میں ماسوائے حاملان دعوت کی کم کوشی کے کوئی اور رکاوٹ مانع نہیں ہے اس لئے ضرورت اس امر کی ہے کہ ہر رفیق تنظیم ذاتی حیثیت میں داعی بن کر اپنے قرب و جوار میں پھیل جائے۔ جب تک رفقاء پر مشن کی دھن سوار نہ ہو گی دعوت وسیع حلقے میں پھیل نہ سکے گی۔

موسم اچھا، پانی وافر، مٹی بھی زرخیز
جس نے اپنا کھیت نہ سینچا وہ کیسا دہقان

بقیہ : اداریہ

کہ کہا جائے گا کہ مرغے کی بس ایک ٹانگ!۔ ان لوگوں کے پاس کہنے کو کچھ اور موجود ہی نہیں لیکن اللہ کی کتاب، ہدایت کے نسخہ کیمیا کو دیکھتے ہیں تو وہاں یہ اسلوب ملتا ہے کہ ایک ہی سورۃ میں متواتر ایک ہی بات ہر رسول کی زبان سے یکساں الفاظ میں کہلوائی گئی ہے۔ قرآنی اسلوب سے بہتر بھی کوئی پیرایہ بیان ہو سکتا ہے؟۔ ہمارا کہنا تو اپنی قوم سے یہی ہے کہ قوم یونسؑ کی پیروی کرو۔ اس پر بھی عذاب کی گھٹا اسی طرح امڈ آئی تھی۔ جیسے آج ہم پر چھائی جا رہی ہے۔ عذاب آیا ہی چاہتا تھا کہ قوم نے اجتماعی توبہ کی اور اللہ نے اس سختی کو ٹال دیا۔ وہ منکرین کی قوم تھی، ہم مسلمین یعنی اللہ کے نام نہاد فرماں بردار بندے ہیں لہٰذا ہمیں اجتماعی کے ساتھ ساتھ انفرادی توبہ کا بھی اہتمام کرنا ہو گا اور یہ توبہ زبانی کلامی یا ہزار دانہ تسبیح پر وظیفے کے ذریعے نہیں ہو گی بلکہ اس کے لئے افراد کو اپنے جسموں پر اور اپنے گھروں میں اللہ تعالیٰ کی خلافت کا حق ادا کرنا ہو گا اور قوم کو اللہ تعالیٰ کی حاکمیت تامہ کے تحت مسلمانوں کی اجتماعی خلافت میں قرآن و سنت کی مکمل اور حتمی بالادستی کا اقرار و اعلان کرنا ہو گا جو محض ایک قرار داد نہ رہے بلکہ فی الواقع دستور و قانون سازی کی اساس بنے۔ علاوہ ازیں منشور قرآنی کے مطابق صلوٰۃ و زکوٰۃ کے نظام اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے ایک پوری طرح موثر لائحہ عمل کا فوری نفاذ لازم ہو گا۔ اس سے کم کوئی بات ہماری سمجھ میں تو آتی نہیں، کسی اور کے پاس کوئی عطائی نسخہ ہے تو آزما کر دیکھ لیا جائے تاہم یاد رہے کہ اب ہمارے پاس مزید تجربات یعنی "ہٹ اینڈ ٹرائل" کے لئے وقت کی گنجائش موجود نہیں۔OO

رفقائے تنظیم اسلامی نوٹ فرمالیں!

☆ دو روزہ توسیعی مشاورت کا انعقاد ان شاء اللہ تنظیم اسلامی کے مرکزی دفتر میں ۳۰ مارچ اور یکم اپریل ۹۵ء کو ہو گا۔

☆ کل پاکستان ملتزم رفقاء کا اجتماع ۲ تا ۴/ اپریل قرآن آڈیٹوریم میں ہو گا۔ اِنشاءاللہ

پاکستان سے پاکستان تک

(گذشتہ سے پیوستہ)

محمد سمیع

اس بار پکڑے گئے تو گولی ہمارا مقدر ہوگی

بھارتی حکومت کا بہاریوں کے لئے کیمپ کھولنے میں کوئی مفاد نہ تھا

"تم یہ بھول رہے ہو کہ میں ہندوستانی فوجی ہوں یہ پاکستان نہیں ہے جہاں رشوتیں عام ہیں"

کہنے لگا پھر کیا کیا جائے۔ میں نے کہا کہ ہم بھی نوکری کرتے ہیں اور کسی کی مدد کی خاطر اگر کبھی Out of way جانا پڑے تو جاتے ہیں۔ آپ بھی کچھ کریں۔ کہنے لگا تم بہت ہوشیار معلوم ہوتے ہو۔ اچھا تم ہی بتاؤ کہ میں کیا کر سکتا ہوں۔ اب میں نے اسے رشوت دینے کی کوشش کی۔ میں نے کہا کہ ہمارے سارے سامان اور نقدی وغیرہ آپ کے لوگوں کے پاس ہیں' ہم انہیں واپس نہیں مانگتے' صرف اتنا چاہتے ہیں کہ آپ ہمیں ہندوستان میں داخل ہونے دیں۔ میرا اتنا کہنا ہی تھا کہ وہ طیش میں آگیا۔ کہنے لگا تم مجھے رشوت دینا چاہتے ہو۔ تم یہ بھول رہے ہو کہ میں ہندوستانی فوجی ہوں اور یہ پاکستان نہیں ہے' جہاں رشوتیں عام ہیں۔ میں نے اپنی زندگی میں اس قسم کے الفاظ نہیں سنے۔ پتہ نہیں اس وقت اللہ تعالیٰ نے مجھ جیسے بودے انسان میں اتنی جراءت کیسے پیدا کر دی تھی۔ میں نے اس کے جواب میں جو الفاظ کہے وہ مجھے آج تک اچھی طرح یاد ہیں۔ میں نے کہا۔

"Sir, I am sorry I have hurt your sentiments but you will agree this is a matter of life and death for us. We are compelled to do whatever, we could."

(جناب مجھے افسوس ہے کہ میں نے آپ کے جذبات کو مجروح کیا ہے لیکن آپ اس بات سے اتفاق کریں گے کہ یہ ہمارے لئے زندگی اور موت کا مسئلہ ہے لہٰذا ہم مجبور ہیں کہ جو کر سکتے ہیں کریں)۔ یہ سن کر وہ پسیجا۔ تھوڑی دیر تک سوچتا رہا' پھر کہنے لگا۔ اچھا میں تمہیں بنگلہ دیش سیکورٹی فورس کے حوالے نہیں کرتا' البتہ تم سب کو واپس جانا پڑے گا۔ یہ بنگالی جس طرح تمہیں لے کر آیا ہے ویسے ہی واپس لے جائے گا۔ پھر اس افسر سے جو ہمیں لے کر آیا تھا کہنے لگا دیکھو ان لوگوں کے سامان انہیں واپس کرو۔ انہیں کشتی میں بٹھاؤ اور جب تک یہ اس پار اتر نہیں جاتے تم وہاں سے نہیں ہٹنا' اور سن لو کہ اگر یہ لوگ دوبارہ داخل ہوئے تو تمہاری خیر نہیں۔ اس طرح ہم کشتی پر بٹھا کر واپس راج شاہی بھیج دیئے گئے۔

جب ہم واپس راجشاہی کے گاؤں چاپائی نواب گنج پہونچے ہیں تو جو شخص ہمارے قریب سے گزرتا یہی پوچھتا کہ ہم واپس کیوں کر دیئے گئے کیونکہ ان کے نزدیک یہ بڑی حیران کن بات تھی۔ اس زمانے میں بنگالیوں کا بارڈر کے آر پار جانا ایسا ہی تھا جیسے ایک شہر سے دوسرے شہر جانا۔ یہ مرحلہ اس بنگالی دلال کے لئے بڑا سخت تھا جو ہمیں ڈھاکہ سے لے کر آیا تھا۔ وہ ہر ایک کو مطمئن کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اتنے میں مجھے ایک شخص کی آواز سنائی دی جو کہہ رہا تھا۔ "آپنارا جا کیچھو بولین ناکینو آی بوجھتے پیرے چھی آپنارا کینو پھیرے آسلین" (آپ کچھ بھی کہیں میں سمجھ چکا ہوں کہ آپ لوگ کیوں واپس آئے ہیں)۔ اس بات کو سن کر میرا ماتھا ٹھنکا اور میں دلال کو کنارے لے جا کر کہنے لگا کہ اس شخص سے پوچھیں کہ یہ کیا چاہتا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو یہ کوئی مصیبت کھڑی کر دے۔ لہٰذا دلال نے اسے ایک کنارے لے جا کر پوچھا۔ "تمی کی چاؤ" (تمہیں کیا چاہئے؟) اس نے کہا۔ "کچھونا آپنارا آما کے پندرو ٹا کا کرے دین آمی آپنا کے انڈیا چھیڑے آسبو"۔ (کچھ نہیں آپ ہمیں صرف پندرہ روپے فی کس دیں میں آپ سب کو ہندوستان چھوڑ آؤں گا)۔ دلال مجھ سے مشورہ کرنے لگا۔ میں نے کہا۔ "سوچ لو اس بار پکڑے گئے تو گولی مار دیئے جائیں گے۔" مسئلہ یہ تھا کہ ہم واپس بھی جانا نہیں چاہتے تھے۔ طے یہ ہوا کہ اللہ کا نام لے کر چلے چلو۔ پھر ہم سب اس کی معیت میں روانہ ہوئے۔ اس کا طریقہ کار یہ ہوتا کہ وہ ہمیں کہیں ٹھہرا دیتا پھر آگے جا کر دیکھتا کہ کہیں کوئی خطرہ تو نہیں۔ اس کے بعد ہمیں تھوڑی دور لے کر چلتا۔ یہی عمل جاری رہا تا آنکہ وہ ہمیں ایک سڑک پر لے آیا۔ کہنے لگا کہ آپ ہندوستان پہونچ چکے ہیں۔ اب آپ کے لئے کوئی خطرہ نہیں۔ پھر وہ اپنا معاوضہ لے کر چلتا بنا۔

سامنے ایک ہوٹل سا نظر آیا۔ دلال نے ہمیں وہاں بٹھایا اور کہنے لگا کہ میں تھوڑی دیر میں کرنسی تبدیل کر کے آتا ہوں۔ اس کے جانے کے تھوڑے ہی دیر بعد ایک شخص ہمارے پاس آ کر بیٹھا اور پوچھنے لگا۔ "آپ لوگ بہاری تو نہیں"۔ میں نے دل میں سوچا کہ یہ ہندوستان کی سی آئی ڈی کا کوئی آدمی ہوا تو ہم تو ہمارے گئے۔ بہرحال بڑی جراءت کر کے میں نے الٹا اسی سے سوال کر دیا۔ "کیوں؟ کیا بات ہے"۔ وہ کہنے لگا۔ "مجھے معلوم ہوا تھا کہ کل ایک بہاری پارٹی بارڈر کراس کرتے ہوئے پکڑی گئی تھی۔ آپ لوگوں کو دیکھ کر مجھے شک ہوا کہ کہیں آپ لوگ وہی تو نہیں۔" میں نے اس سے پوچھا---- "تمہیں یہ بات کس نے بتائی"۔ اس نے جواب میں ہندوستان کے سائڈ کے اس دلال کا نام لیا جو ہمیں چھوڑ کر کھسک چکا تھا۔ اب ہماری جان میں جان آئی۔ پھر اس نے بتایا کہ اس دلال نے اس کے ذمے یہ کام لگایا تھا کہ وہ ہماری خبر لے۔ ابھی ہم یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ ہمارے ساتھ والا دلال کرنسی تبدیل کروا کر واپس آگیا میں نے نووارد کا اس سے تعارف کروایا۔ بعد ازاں اس شخص نے ہم سب کو ایک بس پر سوار کروا دیا اور کہنے لگا کہ یہ بس کھاگرا گھاٹ جاتی ہے جہاں سے آپ کو کلکتہ کے لئے ٹرین مل جائے گی۔

رات کے وقت ہم کھاگرا گھاٹ پہونچے جہاں سے ہم ٹرین پر سوار ہوئے۔ دلال نے کہا کہ اب آپ آرام سے اردو میں بات کرسکتے ہیں۔ فکر کی کوئی بات نہیں۔ اتنے میں چائے والے کی آواز سنائی دی۔ ہم سب نے چائے پی جو مٹی کے کوزے میں دی گئی تھی۔ چائے پینے کے بعد میں کوزہ چائے والے کو واپس کرنے لگا تو دلال نے فوراً کہا "بھائی اسے باہر پھینکیں"۔ معلوم ہوا کہ اس مہذب دور میں بھی ہندوستانیوں نے چھوت چھات کا اپنے ہاں اتنا رواج کر رکھا ہے کہ چائے بھی مٹی کے کوزے میں پیتے ہیں تاکہ دوسرا اس کوزے کو استعمال نہ کرے۔ بہرحال گاڑی دوسری صبح سیالدہ اسٹیشن پہونچی۔ وہاں دلال نے ہمیں الوداع کہا اور ہم سب اپنی اپنی منزل کو روانہ ہوئے۔

تین دن میں کلکتہ میں رہا۔ پہلا کام یہ کیا کہ کبستگ اسٹریٹ پہونچ کر ایک صاحب سے پانچ سو روپے وصول کئے جو میں نے ڈھاکہ میں اپنے دوست کے ذریعہ ہنڈی کروائی تھی۔ تین دنوں میں میں صرف رات کے وقت اپنے ایک دوست کے مکان پر سوتا باقی سارا دن کلکتہ میں سیر و تفریح کرتا۔ وکٹوریہ میموریل ہال' پلانیٹوریم اور پتہ نہیں اور کون کون سی جگہیں تھیں اب تو ذہن میں بھی نہیں رہیں البتہ بیشتروقت میرا کلکتہ کے عجائب گھر کو دیکھنے میں گزرا۔ تیسرے دن نارتھ بہار ایکسپریس پکڑ کر سمستی پور کے لئے روانہ ہوا۔ جہاں سے لوکل ٹرین پکڑ کر مجھے رکسول جانا تھا جو ہندوستان کا بارڈر شہر ہے اور نیپال سے ملتا ہے۔ کلکتہ میں مجھے خاصی تعداد میں پاکستانی نظر آئے۔ ان میں سے کچھ ایسے بھی تھے جو ہمارے شہر کراچی کی طرح فٹ پاتھوں پر پتھارے ڈال کر چھوٹے موٹے کاروبار کر رہے تھے۔ ہندوستان میں یہ اپنے لب و لہجہ کی بناء پر اور ٹیڑون کے کپڑوں میں ملبوس ہونے کی بناء پر آسانی سے پہچان لئے جاتے تھے۔ یہ بات نہیں ہے کہ ہندوستانی حکومت ان سے ناواقف تھی۔ بلکہ میں نے ایک مقامی اخبار کا اپنی حکومت کو یہ مشورہ بھی پڑھا تھا کہ ان کے لئے بھی ایسے ہی کیمپ قائم کئے جائیں جیسے آرمی آپریشن کے دوران شرقی پاکستان سے ہجرت کر کے آنے والے بنگالیوں کے لئے قائم کئے گئے تھے لیکن حکومت ایسا کیوں کرتی۔ بنگالیوں کے لئے کیمپ قائم کرنا اس کے اپنے مفاد میں تھا جبکہ ان سے ان کا کوئی مفاد وابستہ نہ تھا۔

ایک بات جو مجھے ہندوستانیوں کی بہت اچھی لگی وہ یہ کہ چاہے کھدر ہی کیوں نہ پہننا پڑے' وہ اپنی مصنوعات ہی استعمال کرتے ہیں۔ ملک میں ایک امبیسڈر کار بنتی ہے جسے ہر چھوٹا بڑا استعمال کرتا ہے۔ ہمارے ہاں حال یہ ہے کہ چاہے کپڑا پاکستانی ہی کیوں نہ ہو اس پر ٹھپا جاپان کا پڑا ہو تو کوئی بھی خریدنے سے دریغ نہیں کرتا اور بنک کا ایک جونیئر مینجر بھی یہ چاہتا ہے کہ اس کے پاس کم از کم ٹویوٹا کار تو ہو۔ اسی طرح وہاں ٹاٹا کمپنی کی بنی ہوئی بسیں ہی چلتی ہیں۔ امپورٹڈ مال خال خال ہی نظر آتا ہے۔ جو ہندوستانی بیرون ملک کام کرتے ہیں ان پر بھی پابندی ہے کہ وہ نقد رقم کے علاوہ کوئی امپورٹڈ سامان نہیں لا سکتے۔ کاش ہمارے لوگوں کے اندر بھی یہ سوچ پیدا ہو جائے۔ کلکتہ میں ٹرانسپورٹ کا نظام بھی خاصا بہتر ہے۔ پورے شہر میں ٹرام چلتی ہے۔ ڈبل ڈیکر بسیں بھی چلتی ہیں۔ ہمارے ہاں پاکستانی قومیت کو کبھی اجاگر نہیں کیا گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قومیتوں نے جڑ پکڑا۔ ملک دولخت ہوا اور مصائب ہیں کہ اب بھی ٹلتے نظر نہیں آتے۔ (جاری ہے)

آیئے اپنے ملک کی سیر کریں

بدر منیر بٹ

پاک سرزمین پر "کافرستان" کا وجود ---- ایک سوالیہ نشان

یہاں سیاحت کی سہولتیں بہم پہنچا کر کثیر زرمبادلہ کمایا جا سکتا ہے

چترال پاکستان کی شمال مغربی سرحد پر واقع ایک ایسی دلفریب وادی ہے جو کوہ ہندوکش کی برف پوش وادیوں کی گود میں ہر سال ہزاروں سیاحوں کو دعوت نظارہ دیتی ہے۔ یہ وادی سطح سمندر سے سات ہزار فٹ کی بلندی پر واقع ہے اس لئے آب و ہوا کے اعتبار سے بھی یہ میدانی علاقوں کے مقابلے میں مختلف مزاج کی حامل ہے۔ پشاور سے چترال کا ہوائی راستہ پون گھنٹہ کا ہے جبکہ فلائنگ کوچ یہ مسافت تیرہ گھنٹوں میں طے کرتی ہے اور پرلطف بات یہ ہے کہ فضائی اور زمینی راستے میں اتنے تفاوت کے باوجود کرائے میں صرف پچاس روپے کا قلیل فرق ہے۔

فضائی سفر بذریعہ فوکر ہوائی جہاز ہوتا ہے جو اس قدر فرسودہ ہو چکے ہیں کہ موسم میں معمولی سی تبدیلی بھی ان کی پرواز کے لئے بہت بڑے خطرے کی گھنٹی ثابت ہوتی ہے اور پروازیں کئی کئی روز مسلسل منسوخ ہوتی رہتی ہیں۔ مسافر ٹکٹ ہاتھ میں لئے دنوں ہوٹل کا کرایہ ادا کرنے پر مجبور ہوتے ہیں جبکہ پاکستان ائرلائن کے ارباب محو تماشائے لب بام!

البتہ اس اکلوتی (حال ہی میں شاہین ایئرلائن اس کی رقیب بنی ہے) قومی ائرلائن کو داد دیئے بغیر چارہ نہیں جس نے کمال مستقل مزاجی اور ڈھٹائی سے چھوٹے فوکر جہازوں ہی کو ذریعہ آمد و رفت بنا رکھا ہے' چاہے اس میں لاکھوں کا نقصان ہو' بے جا دولت کا ضیاع ہو یا خلق خدا کا وقت برباد ہو۔ کسی کے ساتھ المیہ ہو یا ایمرجنسی' یہ لوگ طرز کہن کو کسی صورت ہاتھ سے جانے نہیں دیں گے اور مجبور و مقہور انسانوں کو وعدۂ فردا پر ابھی نہ جانے کتنے عہد مزید انتظار میں رہنا ہوگا۔ پھر یہ جہاز آخر ہمارا "قومی ورثہ" ہیں ان کو ترک کرنا عیاشی ہے اور اپنی ثقافت سے بے اعتنائی بھی۔ اب جو ان کی مرمت اور دیکھ بھال پر لاکھوں اڑائے جاتے ہیں' یہ دروازے بند کر کے اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارنا کہاں کی دانش مندی ہے؟۔

چترال کی وادی سے ملحق بعض قابل دید وادیاں

اپنے اندر بے پناہ حسن اور مسحور کن مناظر رکھتی ہیں لیکن ان تمام خوبصورت اور دل لبھانے والی وادیوں میں وادی بمبوریت کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ چترال کی بادشاہی مسجد سے کوئی آدھ گھنٹے کی مسافت کے بعد مسافر وادی بمبوریت کی سرحدی چوکی (بارڈر پوسٹ) پر رکتے ہیں جہاں پر ہر سیاح کے لئے وادی میں داخلے کا ٹکٹ حاصل کرنا ضروری ہے۔ اجنبی زائرین کے لئے پچاس روپے فی کس جبکہ مقامی دس روپے فی کس کے حساب سے ادا کرتے ہیں۔ اس وادی کے جادوئی مناظر سے متمتع ہونے کے لئے چترال سے صرف خصوصی جیپ ہی سفر کا وسیلہ ہے جو ایک طرح سے سیاحوں کا استحصال ہے۔ اسی وادی کا دوسرا نام وادی کالاش ہے۔ چند گھنٹوں کے پر پیچ و پر خطر اور تنگ گھاٹیوں کے صبر آزما سفر کے بعد آپ اپنی حس لطیف کے مطابق قدرت کے اس شاہکار سے کماحقہ' لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔

اس دور دراز وادی میں فطرت اپنے پورے نکھار اور جوبن کے ساتھ جلوہ گر نظر آتی ہے۔ دیو قامت پہاڑوں کی ہیبت اور سکوت کو بل کھاتے ہوئے چشموں کا شور اور پانی کے جھرنے توڑتے ہیں۔ کہیں کہیں پن چکیاں اس کے حسن کو دوبالا کرتی ہیں۔ ذرا جیپ سے نیچے اتریں تو سیماب رنگ چشمے آپ کے لئے دیدہ و دل فرش راہ کئے ہوئے ہیں۔ ان کا یخ بستہ اور شفاف پانی ہمارے اندر قدرت کی بے پناہ نعمتوں کا احساس زندہ کرتا ہے اور انسان بے اختیار کہہ اٹھتا ہے۔ "فبای الاء ربکما تکذبن"

کالاش عورتیں ہی اپنی تہذیب کا مظہر ہیں۔ مرد کم نظر آتے ہیں۔ یہ خواتین زراعت کے شعبہ میں متحرک نظر آتی ہیں فطری طور پر یہ لوگ بہت کم آمیز ہیں۔ خائف رہتے ہیں کہ ان تک نور اسلام کی شعاعیں پہنچ گئیں تو کہیں ان کی قلب ماہیت نہ ہو جائے۔ اخروٹ' خوبانی' شہتوت اور دوسرے خشک میوہ جات کی محدود تجارت ان کا ذریعہ معاش ہے۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ وہاں پرندے بالکل نظر نہیں آتے۔ کسی خاص موسم میں اس وادی کا رخ کرتے ہوں تو یہ قرین قیاس ہے۔ گھروں میں مرغیاں پال رکھی ہیں' دودھ کے لئے دبلی پتلی گائیں کہیں کہیں نظر آتی ہیں۔ عام قاری کے لئے یہ بات بہت دلچسپ ہو گی کہ ابھی تک کسی نوع کی میڈیا ایجنسی نے اس علاقے کا رخ نہیں کیا۔ اس قدر ترقی یافتہ دور میں جب انسان نے تسخیر قمر جیسے ناقابل یقین خواب کو ایک ناقابل تردید حقیقت کے روپ میں ڈھال دیا ہے' یہ لوگ صدیوں پرانے طرز زندگی کو ہی سب کچھ سمجھتے ہیں۔ کتاب' اخبار' ریڈیو' ٹی وی اور درس گاہوں جیسی بنیادی احتیاجات سے قطعی طور پر نابلد ہیں بلکہ ان محیر العقول اشیاء کا نام سن کر ورطہ حیرت میں گم ہو جاتے ہیں۔

حال ہی میں محکمہ زراعت نے یہاں رسائی کر کے انہیں جدید زراعت کے فن سے آشنا اور محکمہ تعلیم نے کہیں کہیں علم کی شمع روشن کر کے ان کے ساتھ ایک نحیف مگر ست رو رشتہ استوار کیا ہے جو نہ جانے کب ثمر بار ہو؟۔ تصویر کھنچوانے کو معیوب سمجھا جاتا ہے لیکن کچھ لوگ اپنی اس روایت کو چند ٹکوں کے عوض بیچ دیتے ہیں۔ اس وادی کو کافرستان بھی کہا جاتا ہے یہاں کا نسوانی حسن اپنے اندر بڑی رومانویت رکھتا ہے اور سیاحوں کی کشش کا ایک بنیادی محرک ہے۔ ان کی عجیب و غریب روایات جن کے ثقہ ہونے میں کوئی شک نہیں بڑی دلچسپ ہیں مثلاً پرانے وقتوں میں یہ لوگ اپنے مردوں کو لکڑی کے صندوقچوں میں رکھ دیتے تھے جن کی کھوپڑیاں آج بھی وہاں کے قبرستان میں دیکھی جا سکتی ہیں لیکن آج کل مردے جلا دیئے جاتے ہیں۔ اس تبدیلی کی وجہ معلوم نہیں ہو سکی۔ بچے کی پیدائش پر گھر میں رونا پیٹنا اور آہ و فغاں ہوتی ہے کہ اب یہ بے چارہ دنیا کے رنج و غم اور ابتلا و آلام کا شکار ہو گا اور کسی کی موت پر رقص اور جشن منایا جاتا ہے کہ یہ دنیا کے دکھوں سے آزاد ہو گیا' کتنا خوش بخت ہے!۔ حیض والی عورتوں کو گاؤں سے الگ ایک جھونپڑی میں مخصوص مدت تک رہنا ہوتا ہے جہاں سے صاف ستھرا ہونے کے بعد ہی اہل خانہ میں ان کی مراجعت ہو سکتی ہے۔

وادی بمبوریت کے بل کھاتے ہوئے دلفریب چشمے' پہاڑوں پر دل موہ لینے والے سرو قد چیل کے درخت مختلف النوع میووں سے لدے ہوئے درخت' ہیبت طاری کرنے والا سکوت جس پر تکلم بھی فدا ہو' آلودگی کے سرطان سے پاک فضائیں درحقیقت اس وادی کو منفرد بنا دیتے ہیں جو اپنے اندر حسن کی لازوال دولت سمیٹے ہوئے ہے۔ اگر کوئی حکومت وسعت النظری' دور اندیشی اور وطن دوستی کی پالیسی پر گامزن ہو تو اس علاقے کو ترقی دے کر سیاحت کے شعبے میں کثیر زرمبادلہ کمانے کے امکانات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ کاش! حکومت ایسا سوچ ہی لے!!۔OO

بقیہ : کالم روزنامہ پاکستان

اور جانفشانی میں ہم بھی کسی سے کم نہیں لیکن جان لیجئے کہ اس صورت میں ہماری حیثیت فلپائن اور تھائی لینڈ کی سی ہو جائے گی جہاں "جو آئے' آئے کہ ہم دل کشادہ رکھتے ہیں" کے ساتھ جو دل میں آئے کرنے کی بھی آزادی ہے۔ لانے اور لے جانے پر کوئی قدغن نہیں اور اخلاقی قدریں ہی نہیں' مذہبی رسوم و رواج بھی صرف نمائش کے لئے اور زرمبادلہ کمانے کے لئے ہیں۔ سوچ لیجئے کہ ہم اپنی بہنوں اور بہو بیٹیوں کو اس سطح پر جا کر اپنے شباب کے دام کھرے کرتے دیکھ سکیں گے جس کا رواج ان "ترقی یافتہ" قوموں میں پڑ گیا ہے؟۔ کیا نوجوانوں کو وہ مادر پدر آزادی دے دیں گے جو انہیں وہاں حاصل ہے؟۔ اگر نہیں تو اللہ کے بندو! جہاں تک پہنچ گئے ہو' وہیں سے لوٹ آؤ۔ اللہ کی جناب میں توبہ کرو اور اس عہد کی تجدید کر کے کہ ملک خداداد کو خدائی عدل و قسط کے ملکوتی حسن سے مزین جنت ارضی بنا کر چھوڑیں گے' اللہ ہی سے توفیق و تائید طلب کرتے ہوئے اپنے ملک میں اللہ کی کبریائی کو عملاً قائم کرنے کے کام پر لگ جاؤ۔ اللہ اکبر کے نعرے بہت لگا چکے' اب اس کی کبریائی کو اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگیوں میں کارفرما کر کے بھی دکھاؤ ---- اللہ تمہارا حامی و ناصر ہو۔OO

بقیہ : کراچی کا مسئلہ

کی بہترین صورت یہ ہے کہ کراچی کو ایک صوبہ قرار دے دیا جائے۔ اس طرح اہل کراچی کے معاملات ان کے اپنے ہاتھ آ جائیں گے۔ اس کے بعد بھی اگر ان کے مسائل حل نہ ہوئے تو وہ خود اس کے ذمہ دار ہوں گے۔ رہا یہ واویلا کہ کراچی صوبے کے قیام کے نتیجے میں صوبہ سندھ تقسیم ہو جائے گا تو ہمیں سوچنا چاہئے کہ کیا ایک صوبہ کی تقسیم ہمارے لئے اتنی اہمیت اختیار کر گئی ہے کہ اس صورتحال سے بچنے کے لئے ملک کی سالمیت کو داؤ پر لگانا چاہئے۔

ایسا نہ کیا گیا تو اندیشہ ہے کہ محدود طور پر جاری خونریزی خانہ جنگی کی صورت اختیار کرے اور جس طرح مشرقی پاکستان میں لاکھوں افراد اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے اور اب بھی لاکھوں افراد وہاں کیمپوں میں محصور بدترین زندگی گزارنے پر مجبور ہیں خاکم بدہن کچھ ایسی ہی صورت حال یہاں بھی پیدا نہ ہو جائے۔

قلت و کثرت یہاں کوئی معیار نہیں

بدر میں حضورؐ نے کتنے افراد کو میدان میں اُتارا تھا؟

مولانا اخلاق حسین قاسمی کے تنظیم اسلامی کے چنیدہ رفقاء سے ایک تاریخی خطاب کا تذکرہ

جنوری ۱۹۸۹ء کے میثاق میں اقتدار احمد نے جو اس وقت ہفت روزہ "ندا" کے مالک و مدیر تھے' عرضِ احوال کرتے ہوئے ۱۷ تا ۲۱ دسمبر ۱۹۸۸ء کراچی میں منعقد ہونے والی محاضراتِ قرآنی کی شبانہ محفلوں کا ذکر کر کے بتایا تھا کہ صبح کی اضافی نشستوں میں ملک کے کونے کونے سے سمٹ کر آئے ہوئے رفقائے تنظیم اسلامی باہم مل بیٹھتے اور ہر روز تربیتی نوعیت کے دو پروگراموں میں شرکت کرتے تھے جن میں سے ایک پروگرام میں دہلی کے مولانا اخلاق حسین قاسمی بھی شریک ہوئے جو پاکستان تو اپنے سالانہ معمول کے مطابق آئے لیکن اتفاق سے کراچی انہی دنوں تشریف لے آئے تھے جب تنظیم کا یہ تربیتی اور علمی پروگرام چل رہا تھا۔ وہاں انہوں نے ایک نشست میں رفقائے تنظیم اسلامی کی زبان سے اپنی قلت تعداد پر حرفِ شکایت سنا اور اگلے روز اسی کو اپنی گفتگو کا موضوع بنایا تھا۔ مولانا کے جذبات مدیر ندا کے الفاظ میں اس موقع پر پیش کئے جا رہے ہیں جب عنقریب لاہور میں ایک ایسے ہی پروگرام کا انعقاد ہونے والا ہے جس میں امیر تنظیم محترم ڈاکٹر اسرار احمد بنفسِ نفیس شریک ہوں گے۔ ادارہ

مولانا اخلاق حسین قاسمی کی ذات والا صفات ہمارے قارئین کے لئے محتاج تعارف نہیں۔ وہ بھارت کے معروف عالم دین ہیں' جامعہ رحیمیہ دہلی کے مہتمم و شیخ التفسیر اور تنظیم اسلامی کے ساتھ عمومی اتفاق اور قلبی لگاؤ کا رشتہ رکھتے ہیں۔ اپنے سالانہ معمول کے مطابق پاکستان تشریف لائے اور حسن اتفاق سے ان دنوں کراچی میں ہی مقیم تھے۔ انہوں نے صبح کی ایک نشست میں محفل کو رونق بخشی جس کے دوران بعض رفقاء کا یہ تاثر زبانوں پر آیا کہ تنظیم کی عددی قوت میں خاطر خواہ اضافہ نہیں ہو رہا اور سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم نے اپنی منزل کی طرف کتنا سفر طے کر لیا اور کس قدر ابھی باقی ہے۔ مولانا سے استفادے کے لئے اگلے دن کا تعین پہلے سے تھا جس میں انہوں نے کمال حکمت سے اسی موضوع کو منتخب کیا۔ ان کی سادہ لیکن دل میں اتر جانے والی تقریر نے قلت و کثرت کے وہ پیمانے اور نشانات منزل کو پہچاننے یا شمار کرنے کے وہ معیار دیئے جو معلوم تو سب کو ہیں لیکن ذہن میں مستحضر نہ تھے۔

واقعہ یہ ہے کہ اجتماعیت کی کسی بھی شکل میں شریک افراد کی قلت و کثرت اور اہداف سے قرب یا بعد کا معاملہ ہمیشہ ہی زیر بحث آتا ہے اور شرکاء کے حوصلے پر اس جائزے کے جو مثبت یا منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں' ان کی اہمیت سے انکار بھی ممکن نہیں۔ تاہم اجتماعیت کی نوعیت و ماہیت اس جائزے کے نتیجے کو باہم دگر بالکل مختلف رنگ دیتی ہے۔ اس فانی دنیا سے متعلق محدود مقاصد اور چند روزہ زندگی کے مدار پر محیط طریق ہائے کار اختیار کرنے والی جماعتوں کی کامیابی و ناکامی کے پیمانے بہت تنگ ہیں جبکہ عاقبت کو مطمح نظر بنانے اور منہج نبوی کی اساس پر جمع ہونے والے اس انقلابی گروہ کے لئے فوز و خسران کا مفہوم بہت وسعت رکھتا ہے جو حبل اللہ المتین سے بندھا ہو۔ اور تنظیم اسلامی جیسی انقلابی جماعت کا معاملہ تو اس تناظر میں زیادہ ہی مختلف ہو جاتا ہے جو ایک داعی کی پکار پر جمع ہونے والے افراد پر مشتمل ہے اور جس کے بارے میں اس کے قائد و امیر کا کسی ادعا کے بغیر کہنا محض یہ ہے کہ ایک جماعت بنانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ الحمدللہ کہ ہمارے رفقاء کے ذہنوں میں اپنی تنظیم کے مقاصد' طریق کار' شرائط شمولیت' عددی قوت اور مختصر تاریخ کے بارے میں مواد اور مسالے کی کمی نہیں۔ ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ دم بھر کو من میں ڈوب کر وہ ان میں ربط باہم کا سراغ پا جائیں۔ محترم مولانا اخلاق حسین قاسمی نے ہلکے پھلکے انداز میں جو رہنمائی فرمائی' اس سے سامعین کو دروں بینی میں بڑی مدد ملی۔

ہمیں اللہ والوں کی اس جماعت سے نسبت کا شرف حاصل ہے جس کے امیر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ قدسیوں کے اس گروہ کی ہمسری کا خیال تو ذہن کے قریب بھی نہیں پھٹک سکتا' ہماری حیثیت اس کے لاکھویں درجے میں ہو تب بھی ایک اعزاز ہے۔ یہی کیا کم ہے کہ تنظیم اسلامی نے اپنے ہدف' طریق تنظیم اور طریقہ کار کو شعوری طور پر اس نہج پر رکھا ہے جو اللہ کے رسولؐ نے اختیار فرمایا تھا۔ ہم جس راہ کے راہی ہیں اس پر میر کارواںؐ اور قافلہ والوںؓ کے نقوش پا ثبت ہیں۔ کیا ہم نے کبھی سوچا کہ آج کی دنیا میں اجتماعیت اور جماعت سازی کے رائج و معروف اسلوب ترک کر کے اور ہدایت و رہنمائی کے اصل سرچشمہ کی طرف لوٹ کر ہم نے کتنی بڑی سعادت کمائی ہے۔ یہ منزل بھی قوموں کی زندگی میں بڑی کٹھن ہوتی ہے جسے ہم نے اللہ کی تائید و توفیق سے سر کر لیا۔ پھر اس دور میں منفرد ایک افتخار یہ بھی ہمیں حاصل ہے کہ ہماری دعوت کسی نعرے' کسی منشور اور کسی پروگرام کے گرد نہیں گھومتی' تذکیر بالقرآن پر مشتمل ہے۔ ہم اپنی تنظیم کی طرف رجوع کا آوازہ بعد میں لگاتے اور رجوع الی القرآن کی دعوت پہلے دیتے ہیں۔ منزل ہمارے قدموں سے بہت دور تو ہے لیکن نظروں سے اوجھل نہیں۔ یہ اطمینان ہمیں ضرور میسر ہے کہ اسی راہ پر گامزن ہیں جو منزل مقصود ہی کی طرف جاتی ہے۔

ہمارے بزرگ مولانا قاسمی نے فرمایا کہ تنظیم اسلامی کے رفقاء اپنی تعداد کی قلت پر کیوں ہراساں ہیں۔ کیا انہیں یاد نہیں کہ بدر کے میدان میں ہمارے آقا مولاؐ

WEEKLY "NIDA-E-KHILAFAT" LAHORE
36-K, Model Town Lahore- 54700 Regd:No L. 9184

نے تین سو تیرہ افراد کو لا کھڑا کیا اور خود اپنے رب کے حضور سجدے میں گر گئے تھے کہ اے اللہ! یہ میری تیرہ سالہ محنت کی کمائی ہے جو اگر اس معرکہ میں کام آگئی تو روئے ارضی پر تیرا نام لینے والا کوئی نہ رہے گا۔ اپنے بارہ تیرہ سال کے کام کے ثمرات سے بددلی محسوس کرنے والے یہ کیوں نہیں سوچتے کہ وہ تین سو تیرہ نفوس مطہرہ ہماشا کے نہیں' حضور نبی کریم ﷺ کے کام کا حاصل تھے جنہیں جنت و دوزخ سامنے پڑی نظر آتی تھی' جن پر قرآن مجید نازل ہو رہا تھا اور قدم بقدم رہنمائی کے لئے فرشتے آتے تھے۔ مولانا نے ہمیں مخاطب کر کے کہا کہ آپ لوگوں میں یہ احساس پیدا ہی کیوں ہوتا ہے کہ اب تک ہم نے حاصل کیا کیا ہے۔ یہ حاصل کیا کم ہے کہ میرے سامنے ڈھائی تین سو اللہ کے بندے بیٹھے ہیں جو ملا مولوی نہیں لیکن چہروں پر مسنون داڑھیوں کی بہار رکھتے ہیں۔ پٹھان' پنجابی' سندھی' بلوچی اور مہاجر ہیں لیکن ایک ہیں۔ بریلوی' دیوبندی اور وہابی ہیں لیکن اپنے آپ کو صرف مسلمان سمجھتے ہیں۔ کاروبار میں' ملازمتوں میں اور بال بچوں میں رہنے والے ہیں لیکن چھ سات دن نکال کر دور و نزدیک سے محض دین کے لئے چل کر آئے ہیں۔ اللہ کے ایک بندے ڈاکٹر اسرار احمد کی محنت کا جو مولوی نہیں جدید تعلیم یافتہ ماڈرن آدمی ہے' ثمرہ اس سے بہت کم ہوتا تب بھی بہت تھا کہ ہزار بارہ سو مسلمانوں کو اس نے دین کے لئے جوڑ دیا ہے۔ آپ لوگ بے تاب کیوں ہیں' وہ مرحلہ بھی آکر رہے گا جب آپ کو نقد جاں ہتھیلی پر رکھ کر میدان میں اترنا ہوگا' فی الحال تو جمع ہونے اور جڑنے کو غنیمت جانئے اور تیاری کا حق ادا کیجئے۔ مولانا نے کہا کہ میں علماء کے حلقوں میں جاکر کہا کرتا ہوں کہ اس ماڈرن آدمی سے خوف نہ کھایئے۔ وہ تو آپ کا اکرام کرتا ہے' آپ کے بزرگوں کا خوشہ چیں ہے اور پڑھے لکھے لوگوں کے مجمع میں' خالص مسلم لیگی ذہن رکھنے والوں میں بھی حضرت شیخ الہندؒ اور مولانا مدنیؒ کی مدح میں رطب اللسان رہتا اور ان سے استفادے پر فخر و انبساط اور ممنونیت کا اظہار کرتا ہے۔

یہ سب باتیں بڑی دل خوش کن تھیں۔ پژمردہ روحوں میں زندگی کی جوت جگانے والی تھیں لیکن ہمارا کوئی ساتھی اگر زیادہ ہی خوش فہمی میں مبتلا ہو گیا ہو' ہم چوما دیگرے نیست کا زعم اگر پیدا ہو گیا ہو تو گھاٹے کا سودا ہے۔ اپنی قلت کو کثرت میں ہمیں بہرحال تبدیل کرنا ہے۔ وقت فرصت ہے کہاں' کام ابھی باقی ہے۔ عشرت منزل کو تو حاشیہ خیال میں بھی لانے کا موقع نہیں آیا۔ ابھی تو تپتی راہیں ہمیں پکار رہی ہیں' گھنیری چھاؤں کو پاؤں نہ پکڑنے دیجئے۔ اور قلت کو کثرت میں بدلنے کی کوشش میں اپنے آپ کو نہ بھول جایئے۔ ہم میں سے ہر شخص ایک اکائی ہے اور انہیں اکائیوں کے تانے بانے سے ہماری اجتماعیت کا سائبان تیار ہوا ہے۔ اس تانے بانے میں کمزوری ہوئی' ان میں ایک بھی تار عنکبوت ہوا تو اس سائبان میں سے آفات بارش کی طرح ٹپکیں گی' دھوپ کی طرح نہلائیں گی۔ ساتھیوں کے ہاتھ میں ہاتھ ضرور ڈال کر چلئے لیکن قدم اپنے مضبوط رکھئے تاکہ یمین و یسار جو بھائی آپ کا ہاتھ تھامے ہوئے ہیں انہیں کھڑا رہنے اور چلتے رہنے میں آسانی ہو' سہارا ملے۔ ہم میں سے ہر شخص کو ہر آن اپنا جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔ انانیت اور کہیں نہیں صرف یہاں مطلوب و محمود ہے۔ میں اگر مضبوط ہوں تو تنظیم بھی مضبوط ہے۔ میرے فکر میں اگر خامی نہیں تو تنظیم بھی کسی کجی کا شکار نہ ہوگی۔ میرا مقصود رضائے الٰہی ہے تو تنظیم بھی صراط مستقیم پر گامزن رہے گی' دائیں بائیں جھاڑ جھنکار میں الجھ کر نہ رہ جائے گی۔ میں فعال ہوں تو تنظیم بھی سرگرم عمل ہے۔ میں نے اپنی ترجیحات میں دین کی منشاء کے مطابق تقدیم و تاخیر کرلی ہے تو تنظیم کی ترجیحات میں کبھی الجھاؤ پیدا نہ ہوگا۔ میں محنت و ایثار کی روش پر چل نکلا ہوں تو تنظیم میں اسی شعار کو فروغ ہوگا۔ مجھے خود چراغ راہ بننا ہے اور ہاتھ پر ہاتھ دھرے اس فردا کا منتظر نہیں رہنا جب بہت چراغ جلیں گے تو روشنی ہوگی۔

اجتماعیت کا یہ فائدہ تو ہے کہ افراد ایک دوسرے کی کوتاہیوں کی تلافی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے پانچ انگلیاں یکساں نہیں بنائیں۔ ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ' لیکن سب کی چمک دمک برابر نہیں ہوتی۔ ہاں جتنی کچھ روشنی قلب و ذہن میں پیدا ہو چکی ہو اسے کام میں لانے' پھیلانے اور عام کرنے میں بخل نہیں کیا جانا چاہئے۔ مقدور بھر کرنے سے ہی بات بنے گی۔ اللہ کا دین آج مغلوب ہے' اس کے خالی تالاب کو ہمیں اپنی سعی و جہد کے دودھ سے بھرنا ہے۔ اس امید میں کہ دوسرے تو دودھ ہی لائیں گے' ہم نے پانی کی لٹیا اس میں جا انڈیلی تو وہ آب آب ہوگا۔ دودھ کے رنگ کا شائبہ بھی شاید اس میں موجود نہ ہو۔ ہفتہ بھر گھر بار سے دور رہ کر' سفر کی صعوبت اور اخراجات برداشت کرنے کے بعد اور بہت کچھ کہنے سننے سے اتنی بات ہی ہماری سمجھ میں آگئی ہو تو بہت ہے۔ یہی ہے رخت سفر میر کارواں کے لئے۔

آیئے مل جل کر اللہ تعالیٰ سے توفیق طلب کریں۔ اس کی طرف سے توفیق کی ارزانی ہو جائے' ہمیں فکر و عمل کی جو راستی میسر ہے وہ میسر رہے اور ہم میں سے ہر شخص جادۂ عزیمت پر چلتے رہنے کی ٹھان لے تو اسی قلت میں کثرت ہے۔ اس اقلیت کا جذب دروں ہی بوقت ضرورت مقناطیس بن کر اکثریت کو کھینچ لے گا۔ ہمیں ہجوم کی اور دھوم دھڑکے کی اس مرحلے میں ضرورت بھی نہیں جو ہماری توجہ کو تقسیم کرنے کا باعث بنے۔ جس دور سے ہم گزر رہے ہیں اس میں جلسہ ہائے عام میں خطاب کرنا صرف دعوت کے لئے ضروری ہے' تنظیم و تربیت کے لئے تو ایک ایک دل کے دروازے پر جاکر دستک دینی ہوگی' دستک بھی دھیمی دھیمی جو کواڑوں کو توڑنے والی نہ ہو' کھلوا کر دم لے۔ ہمارے تخاطب میں وہ سوز و گداز ہو' ایسی ہمدردی ہو کہ دلوں پر جو روح ربانی کے مسکن ہیں' تالے نہ پڑ جائیں۔ کوئی بھی اپنے کواڑوں کو مقفل نہ کرے' اب یہاں روز کوئی درد لئے آئے گا۔ OO

• ایک مسلمان کی انفرادی و اجتماعی ذمہ داریاں کون کون سی ہیں؟
• دعوت و تبلیغ اور غلبہ دین کی جدوجہد اضافی نیکی کے کام ہیں
یا بنیادی فرائض میں شامل ہیں؟
ان موضوعات پر ایک مختصر لیکن نہایت جامع کتابچہ

دینی فرائض کا جامع تصور
از: ڈاکٹر اسرار احمد

عمدہ کمپیوٹر کتابت ● صفحات ۴۰ ● قیمت: اشاعت خاص ۸/-' اشاعت عام ۴/-

شائع کردہ: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن' ۳۶۔ کے ماڈل ٹاؤن' لاہور